ملک الموت کے خطوط

جاسوسی دائرہ سیریز

ملک الموت کے خطوط

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

ایک پراسرار خط

بنام: رام نرائن اگروال ولد شیو داس اگروال۔

قوم: دیش ۔مذہب۔ہندو۔

ساکن: ۲۲۰ فورجس روڈ، فورٹ۔

انسان نمبر: ۳۷۵۲۱۳۶۰۰۲۱۵۸۹۳۸۷۳۲۱۰۹۸۷

دور: ۲۱۵۲۷۱۴۵۷۷واں سال شمسی۔

تم کو بنی نوع انسان کی آزادی کے نئے قانونِ فطرت کے مطابق قبل از وقت اطلاع دی جاتی ہے کہ آج کے ٹھیک ساتویں دن سورج ڈھل کر تمہارے مقامی وقت کے مطابق ۱۲ بج کر ایک منٹ پر تمہاری زندگی کی مدت پوری ہوجائے گی۔تمہارے لیے موت کا بہانہ خودکشی مقرر کیا گیا ہے۔تمہیں اس بات کا موقع دیا جاتا ہے کہ تمہاری زندگی کی کوئی بڑی تمنا اگر ادھوری رہ گئی ہو تو پوری کرلو، تاکہ تمہیں موت سے کوئی گلہ نہ رہ جائے۔

ملحوظ رہے کہ سات پردوں میں چھپ کر بھی کوئی میری دسترس سے نہیں بچ سکتا۔

منجانب ملک الموت

☆☆☆☆☆☆

''یہ ملک الموت اردو کا منشی فاضل معلوم ہوتا ہے۔'' سارجنٹ بالے سے تبصرہ کیے بغیر نہ رہا گیا۔

''آپ سے کسی نے بڑا دلچسپ مذاق کیا ہے۔'' خان نے خط کو رام نرائن اگروال کی طرف بڑھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

Akram Allahabadi

''میرا بھی یہی خیال ہے، پھر بھی میں نے سوچا آپ سے مشورہ لے لوں۔''

اگروال نے اپنے سفید بالوں والے درمیان سے بنجر زمین کی طرح صاف سر کو کھجلاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔خان سے گفتگو کے بعد اس کا خوف دور ہو چکا تھا۔

مذاق تو یہ معلوم ہی ہوتا تھا، لیکن بوڑھے آدمی موت کے خفیف سے احساس سے بھی لرز اٹھا کرتے ہیں۔خصوصاً ایسے لوگ جنھوں نے اتنا سرمایا جمع کر رکھا ہو کہ اس کے چھن جانے کا احساس انھیں قبر میں بھی چین نہ لینے دے۔رام نرائن اگروال شہر کے لکھ پتی تاجروں میں شمار ہوتے تھے اور خان کو وہ اسی وقت سے جانتے تھے جب ایک بار ان کے گودام سے روئی کی ۲۶ گانٹھیں چوری ہو گئی تھیں اور خان نے محض دس منٹ میں ان کا چور پکڑ دیا تھا جو خود ان کا ہی مہتا نکلا۔اس خط کے بارے میں انھوں نے اسی لیے اور کسی سے ذکر نہیں کیا تھا کہ لوگ کہیں انھیں بیوقوف نہ سمجھیں۔پہلے انھوں نے بھی یہی سوچا تھا کہ محلے یا بلڈنگ کے شریر لڑکوں یا خود ان کے کسی دوست کی یہ حرکت ہوگی، مگر پھر ان کا دل نہ مانا اور وہ خود اپنی کار لے کر خان کے پاس آ ہی پہنچے۔

''آپ اردو جانتے ہیں؟'' خان نے ان سے برسبیل تذکرہ دریافت کیا۔

''میں صرف اردو ہی جانتا ہوں۔اور میں کیا، میرے آبا و اجداد بھی سب اردو ہی جانتے تھے۔میں یوپی کی پیداوار ہوں۔'' اگروال نے بتایا۔

''تب تو معاملہ درست ہے۔'' بالے نے لقمہ دیا۔

''کیا؟'' خان نے اس کی طرف دیکھا۔

''یعنی یہ اگر ہندی جانتے ہوتے تو ملک الموت انھیں سنسکرت میں ہی خط لکھتا۔'' بالے نے کہا۔اس پر اگروال بھی ہنس پڑے۔

''اچھا تو میں چلوں۔'' اگروال نے اجازت طلب کی۔''ویسے آپ کو یقین ہے کہ یہ کسی کا مذاق یا شرارت ہی ہو؟''

Akram Allahabadi

''کمال ہے،تو کیا آپ کے خیال میں یم دوت نے آپ کی ایڈوانس بکنگ کی ہوگی۔''بالے پھر بول پڑا،جس پر خان اسے گھورنے لگا۔

''میں نہیں بولتا۔''یہ کہہ کر اس نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا۔

''یہ خط آپ کو کب ملا ہے؟''خان نے سنجیدگی سے اگروال سے پوچھا۔

''میں نے عرض کی نا کہ آج سویرے میرے بستر کے سرہانے موجود تھا۔''اگروال نے بتایا۔

''تو آپ کے گھر میں بھی کسی کی حرکت ہو سکتی ہے۔''

''گھر کے افراد میں کوئی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔میرے نوکر بھی سب بوڑھے اور سیدھے سادے ہیں۔''

''تو پڑوسیوں میں سے ہی کسی نے مذاق کیا ہے۔''خان نے بحث مختصر کرتے ہوئے یہ کہہ کر اپنے کاغذات دیکھنے لگا اور رام نرائن اگروال صرف بالے سے ہی ہاتھ ملا کر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا۔اسکے جاتے ہی بالے کا قہقہہ چھوٹ گیا۔خان چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔''اس نے بالے کو ڈانٹا۔

''ہُپ۔''اس نے منہ بند کر لیا۔''ملک الموت کا خط...''وہ ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے بولا۔''بڑی دلچسپ ایجاد ہے یہ مذاق،مین ہوتا تو جواب بھی لکھ دیتا کہ میں اپنے لیے فیرویل پارٹی اور آپ کے لیے استقبالیہ کا اہتمام کر رہا ہوں۔براہ کرم وقت پر شرکت فرمایئے،بھول نہ جایئے گا۔''

''اور جواب بھیجتے کس پتے پر؟''خان نے کام روک کر اس کی حماقت میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''جواب...''وہ سوچ میں پڑ گیا۔

Akram Allahabadi

''اچھا اب دفع ہو جاؤ۔یہاں سے، میرے پاس فضولیات کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''جواب نہیں ہے اس شانِ بے نیازی کا، خود ہی بحث چھیڑی، اور خود ہی نخرے۔'' بالے برا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے بولا۔ جملے کا آخری ٹکڑا اسنے آہستہ ادا کیا تھا، لیکن خان نے سن ہی لیا۔

''کیا فرمایا آپ نے؟'' خان نے اسے گھورا۔

''مم، میں نے عرض کیا تھا کہ بڈھے کے نخرے ہیں سب۔''

''ذرا تشریح کے ساتھ عرض کیجیے۔''

''بڈھا، یعنی وہ نزائن اگروال شیو داس اگروال وغیرہ۔'' بالے نے دروازے کی طرف انگوٹھے سے اشارہ کر کے کہا اور خان ہنس پڑا۔

''ان دنوں تمہیں فرصت ہے، اس لیے گھڑیوں کی اسمگلنگ والی رپورٹوں پر دھیان دو۔'' خان نے اس کے جاتے جاتے اس کے سر پر کام لاد دیا۔

''پھنسے پھر۔''

''رؤف کے پاس بھی کچھ اطلاعات ہیں۔''

''اطلاعات تو کیا، غزلیات ہونگی۔''

''میرا دماغ نہ چاٹو، اگر کام نہیں کر سکتے تو جاؤ مرو کہیں۔'' خان جھنجلا گیا۔

''جاتا ہوں، سلام علیکم۔'' سلیوٹ کرنے کے ساتھ اس نے سلام بھی داغ دیا۔ اور ابوٹ ٹرن ہو کر سیدھا باہر نکل گیا۔ خان نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

''آپ نے یاد فرمایا مجھے؟'' ابراہیم نے بالے کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں، شاعر پولیس بھائی عبدالرؤف غم کو مونچھوں سمیت حاضر کیا جائے۔''

''میں خود ہی حاضر ہوں، اعلیٰ حضرت، حکم فرمایے۔'' دروازے سے رؤف کی آواز سنائی دی اور ابراہیم کے سر سے بلا ٹل گئی۔

''ارے واہ، تم تو چراغ الہ دین کے جن ہو گئے، رفو بھائی، مگر نہیں، وہ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ شیطان کا نام لو اور..''

''وہ حاضر ہے، یعنی میں۔'' رؤف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہی ایک سننے کو رہ گیا تھا۔'' رؤف برا سا منہ بنا کر بولا۔

''ارے تم تو کسی بوڑھی ساس کی طرح کوسنے لگے، میں تو انگریزی کا ایک مقولہ بیان کر رہا تھا۔'' بالے نے معصومیت سے کہا۔

''میں بھی اردو کا ایک مقولہ بیان کروں؟'' رؤف نے قریب آ کر سوال کیا۔

''کہہ ڈالو، تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

''اسے بندر کی دوستی جی کا جنجال کہتے ہیں۔''

''مونچھوں کی بزرگی سے قطع نظر تم میرے ماتحت ہو، دوست نہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ مقولہ سراسر غلط ہے۔''

''لعنت ہے اس ماتحتی پر، بھیج دو میری چارج شیٹ۔ میں نہیں کروں گا کام تمہارے ساتھ۔'' رؤف جھنجلا کر پلٹنے لگا۔

''ارے ارے، یہ کیا حماقت ہے؟'' بالے نے اسے روکا۔

''بالے صاحب، میرے سر کے بال سفید ہو چلے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''اچھا بھئی جاؤ معاف کیا تمہاری مونچھوں کو، آؤ کام کی بات کریں۔''

''کیا کام ہے؟''

''وہی گھڑیوں والا چکر۔ خان صاحب کہہ رہے تھے تمہارے پاس کچھ غزلیات، آئی ایم ساری، اطلاعات ہیں؟''

''ایک اسمگلر کے ایجنٹ شہر میں چوری سے درآمد کی گئی گھڑیاں بیچتے پھر رہے ہیں۔''

''شکر ہے کہ گھنٹہ گھر نہیں بیچتے پھر رہے۔'' بالے نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

''بھلا یہ بھی کوئی اطلاع ہوئی؟''

''آگے بھی سنو گے یا...''

''اچھا چھا، کہو۔''

''میں ان میں سے چند کی نگرانی کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ گھڑیاں ایک ایسے غیر ملکی جہاز سے انھیں سپلائی کی گئی ہیں جو ہماری بندرگاہ کو چھوڑ چکا ہے۔''

''یہ ڈبل شاندار اطلاع ہوئی، رؤف بھائی، شعر شاعری کی طرح ذرا سراغرسانی میں بھی اپنا ہی دماغ استعمال کیا کرو۔ تمہارے خیال میں کیا وہ جہاز یہاں صرف چندہ بانٹنے آیا تھا؟''

''وہ ہماری ملکی سمندری حدود سے باہر نکل چکا ہے، ورنہ کوئی کارروائی کی جاتی۔''

''مین یہ نہیں کہہ رہا ہوں، میرا مطلب ہے یہاں کے جس اسمگلر سے اس معاملے کا تعلق ہوگا وہ یا تو اس جہاز پر ہوگا یا اس نے انتظام ہی ایسا کیا ہوگا کہ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو اس کی ہدایات کے مطابق مال جہاز سے علیحدہ علیحدہ دیا جائے۔''

''اچھا پھر؟'' رؤف نے پوچھا۔

''اور پتا یہ چلانا ہے کہ وہ آدمی کون ہے۔''

''اور میں کیا جھک مار رہا ہوں۔''

''آگے بیان کرو۔''

''تین ایجنٹوں نے جو اس وقت حراست میں لیے جا چکے ہیں، یہ بیان دیا ہے کہ انھیں جہاز پر موجود ایک غیر ملکی مسافر نے یہ گھڑیاں قیمتاً دی تھیں اور وہ اس مسافر کا نام بھی نہیں جانتے، صرف دوسروں سے سن کر وہاں پہنچ گئے تھے۔''

''یہ سب فراڈ ہے۔''

''اور سچ بھی ہو سکتا ہے۔''

''وہ ایسا ہی آدمی ہونا چاہیے جو اس کام کرنے والوں سے اچھی طرح واقف ہو، ورنہ بے جانے پہچانے کوئی ایسا رسک نہیں لے گا کہ شارع عام پر دکان کھول دے۔'' بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''تو جاؤ اس جہاز کا تعاقب کرو پھر۔'' رؤف جھنجلا گیا۔

''رفو بھائی، ان کا گرو گھنٹال ضرور اسی شہر میں موجود ہے اور ہمیں اس کا پتا چلانا پڑے گا۔ اس لیے کہ حکومت کو اس ناجائز تجارت سے لاکھوں روپے اکسائز ڈیوٹی کا نقصان ہو رہا ہے۔ جانتے ہو گھڑیوں پر سو فیصدی ڈیوٹی عائد کی جاتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''جن اسمگلروں پر شبہ کیا جا سکتا تھا، انھیں میں چیک کر چکا ہوں۔ وہ گھڑیوں کی ناجائز تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔''

''تو کیا تمہاری جغادری مونچھوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔''

''پھر وہی۔''

''خیر، اس وقت پیچھا چھوڑو، میں پھر بتاؤں گا ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔''

''تم مجھے بتاؤ گے؟''

''ہاں، اس کیس میں تم میری ماتحتی میں کام کر رہے ہو۔ خان صاحب کا حکم ہے۔''

Akram Allahabadi

''میں نے پنشن کے لیے درخواست دے دی ہے۔''

''نان نفقہ کا دعویٰ کیا ہوتا، پنشن میں کیا ملے گا۔''

''لاحول ولاقوۃ۔تم سے تو بات کرنا ہی حماقت ہے۔''

''بزرگوں کا قول ہے، بات کم اور کام زیادہ۔''

''میں جا رہا ہوں۔''

''جاؤ سدھارو میری جاں، تم پر خدا کی ہو امان۔''

''بالے صاحب۔'' رؤف پلٹ کر اسے گھورنے لگا۔

''شعر عرض کیا ہے، اور وہ بھی میرا نہیں ہے۔'' بالے نے معصومیت سے جواب دیا۔

''رؤف کچھ کہے بغیر ناخوشگوار تاثرات چہرے پر لیے باہر نکل گیا۔

''او گاڈ، یہ پولیس ڈپارٹمنٹ میں مرزا غالب کی امت کیوں پیدا کر دی تو نے۔'' بالے نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ہیر پھیلا کر کہا۔

''صاحب، ایک اور بھی شاعر پیدا ہوئے ہیں ہمارے محکمے میں۔'' ابراہیم نے اندر آتے ہوئے بتایا۔

''نیا انکشاف۔'' بالے چونکا۔''وہ کہاں بندھتے ہیں؟''

''نصرت صاحب، نئے سب انسپکٹر ہوئے ہیں۔'' ابراہیم نے بتایا۔''نصرت کرلوی تخلص فرماتے ہیں۔''

''یک نہ شد دو شد، مونچھوں وغیرہ سے بھی شوق فرماتے ہیں کیا؟''

''ابھی تو میں نے صرف سنا ہے، چوکھٹا نہیں دیکھا۔'' ابراہیم نے ہنس کر بتایا۔

''دیکھ کر رپورٹ کرو، ہم ان شعرائے پولیس کے پورٹریٹ بنوا کر میوزیم میں لگوائیں گے تاکہ سند رہے اور آل انڈیا مشاعروں میں کام آئے۔'' بالے نے موڈ میں کہا۔

Akram Allahabadi

''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''دفع ہو جاؤ، مجھے لا بیلا کے پروگرام کے بارے میں کچھ سوچنا ہے۔''

ابراہیم نے مسکرا کر سلام کیا اور واپس باہر چلا گیا۔ بالے کو اپنے کاغذات بھی دیکھنے تھے، اس لیے وہ سنجیدگی سے کام میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد ہی اسے چپراسی نے خبر دی کہ کوئی اس سے ملنا چاہتا ہے۔

''مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے۔'' بالے نے چپراسی کو جھڑک دیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ چپراسی یہ جواب سن کر لوٹے، ایک زردسائے کا عکس بالے کی نگاہوں میں دھوپ جیسی چمک پیدا کرنے لگا۔ اس نے نگاہیں بلند کر کے دیکھا۔ وہ بلا اجازت ہی دروازے تک آ پہنچی تھی۔ سیاہ بالوں اور سفید رنگت والی حسین نقش ونگار کی ایک جوان لڑکی یا عورت۔ وہ پریشان سی نظر آ رہی تھی اور اسی عالم میں اس کا حسن اور نکھر گیا تھا۔

''تشریف لایئے۔'' بالے انکار نہ کر سکا۔

وہ سہمی سی آ کر اس کی میز کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ چپراسی چلا گیا۔

''اب فرمایئے۔''

''مم... میں... مگر یہاں...'' وہ گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

''گھبرایئے نہیں، یہاں بلا اجازت کوئی نہیں آ سکتا، آپ کو جو کہنا ہے بے دھڑک کہہ ڈالیے۔''

''آپ ہی خان صاحب کے اسسٹنٹ ہیں نا؟'' اس نے بالے سے پوچھا۔

''اسسٹنٹ تو بہت سے ہیں، لیکن میں ان سے زیادہ قریب رہتا ہوں۔'' بالے

نے بتایا۔

''میں ان سے ہی ملنے آئی تھی، مگر وہ ابھی ابھی کہیں چلے گئے ہیں۔اس لیے میں نے سوچا ممکن ہے آپ سے مل کر کام ہو جائے شاید۔''

''فرمایے؟'' بالے نے توجہ کا اظہار کیا۔

''مم...میرا نام ایلس پارکر ہے۔میں پارکر شپنگ ایجنسی کے مالک مسٹر ڈیوڈ پارکر مرحوم کی بیوہ ہوں اور مجھے ایک شخص ڈیوڈ ابراہام کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔'' وہ جلدی جلدی مگر مدھم لہجے میں بتانے لگی۔

''اور یہ ڈیوڈ ابراہام کون برخوردار ہیں؟''

''وہ مسٹر پارکر کا بھتیجا ہے۔''

''آپ کو اپنے بھتیجے سے محبت نہیں معلوم ہوتی۔''

''کیا مطلب؟''

''جب ہی آپ توہین آمیز انداز میں اس کا نام لے رہی ہیں۔''

''اوہ نہیں، وہ ہے ہی قابلِ نفرت۔شرابی، جواری، رئیس کا متوالا۔''

''تب تو آپ کی نفرت حق بجانب ہے، لیکن اس سے خطرہ کیوں ہے آپ کو؟''

''وہ بدمعاش ہے۔مجھ سے دس ہزار روپے مانگ رہا تھا اور میں نے انکار کیا تو مجھ سے کہہ گیا ہے کہ نہ دو، لیکن تمہارے مرنے کے بعد تو سب میرا ہی ہوگا۔'' وہ بتانے لگی۔

''آپ لاولد ہیں؟''

''جی ہاں۔''

''اور وہ ایک ہی قریبی رشتے دار ہے؟''

''جی ہاں۔''

''تب کیا غلط کہا اس نے؟''

Akram Allahabadi

''مجھے اس کی مسکراہٹ نہ جانے کیوں خوفناک معلوم ہو رہی تھی، جیسے، جیسے وہ، وہ مجھے قتل کر دے گا۔ جس سے وہ مسٹر پارکر کی دولت اور جائیداد حاصل کرنے کے لیے مجھے اپنے راستے سے ہٹا دے گا۔'' وہ خوف و اندیشے سے متاثر لہجے میں کہنے لگی۔

''دیکھیے، قانون محض آپ کے اندیشے یا شک کی بنا پر کسی کو پھانسی دینے سے رہا۔ اور پھر اس قسم کے این سی (NC) کیسز میں ہم کوئی اقدام بھی نہیں اٹھا سکتے۔''

''تو کیا آپ مجھے اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گے۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

''آپ دولتمند خاتون ہیں، اگر آپ کو ایسا ہی خوف ہے تو اپنے لیے دو ایک پرائیوٹ محافظ رکھ لیجیے۔''

''کیا میں ایسا کر سکتی ہوں؟''

''اس میں کوئی قباحت نہیں۔ میرا مطلب ہے قانون کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔''

''کیا آپ ہی مجھے کوئی ایسا بھروسے کا آدمی بتا سکتے ہیں؟''

''میں شاید اس سلسلے میں مدد نہ کر سکوں، لیکن آپ چاہیں تو پولیس کے ریٹائرڈ آدمیوں میں سے کسی سے مدد لے سکتی ہیں۔ یا پھر کوئی پٹھان وغیرہ رکھیے۔'' بالے نے مشورہ دیا۔

''بہتر ہے۔'' وہ غیر مطمئن لہجے میں بولی۔ ''لیکن مجھے کچھ ہو گیا تو اس کے ذمے دار آپ ہوں گے، کیونکہ میں نے آپ سے مدد چاہی تھی۔'' وہ یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہم اپنی ذمے داریوں کو خوب سمجھتے ہیں، مادام۔ ویسے یہ آپ کا وہم ہے اور کچھ نہیں۔'' بالے نے اس کے لہجے کا ناخوشگوار اثر لیتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔'' وہ یہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور بالے اس کو نظر انداز کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

حیرتناک ردِّعمل

اس وقت شام کے ساڑھے ۷ بجے تھے جب رام نرائن اگروال اپنے آفس سے لوٹ کر کار پورٹیکو میں چھوڑتے ہوئے اپنے بنگلے میں داخل ہوئے۔آج وہ خلافِ معمول خوش نظر آرہے تھے، کیونکہ ان کی تازہ اور آمد کردہ روئی کی دس ہزار گانٹھوں کا بڑا منافع بخش سودا ہوگیا تھا۔انھوں نے اس مصری روئی پر اپنا تمام سرمایہ لگانے کے علاوہ پانچ لاکھ روپے سیف بینک سے قرض بھی لے کر اس داؤ پر لگا دیے تھے اور ان کی توقع اور اندازوں کے مطابق اس کے سودے میں اب انھیں کم از کم پانچ لاکھ کا منافع ہونے والا تھا۔

مسز اگروال شوہر کو خوش خوش دیکھ کر پوچھے بغیر نہ رہیں۔

''کہاں تو آپ بڑے فکرمند دکھائی دیا کرتے تھے، آج ایسا کیا مل گیا؟''

''میں اس روئی کے سودے کے لیے ہی پریشان تھا جو آج بڑی خوبی سے نپٹ گیا۔ کل مال چلا جائے گا اور پرسوں تمام سرمایہ نکال کر پانچ لاکھ کا منافع میری تجوری میں ہوگا۔'' وہ موڈ میں اپنی مسز کی ہی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولے۔

''بھلا بتایئے، یم دوت نے آج ہی آپ کا دن مقرر کیا تھا، اب ان بیچاروں کو کتنا دکھ ہوگا کہ بھاگ میں آپ کے خوشی نکلی۔'' وہ ایک ہفتہ قبل کے اس خط والے واقعے کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔اور رام نرائن اگروال کو بھی ایک لمحے کے لیے اس خط کا خیال آگیا۔وہ سر کو جھٹک کر ہنسنے لگے۔

''انھوں نے اندازہ لگانے میں غلطی کی ہوگی۔'' وہ اس مذاق میں اپنی پتنی کے شریک ہوگئے، لیکن ابھی وہ اپنے روم میں جا کر لباس تبدیل کرنے چلے ہی تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ان کی مسز نے ہی رسیور اٹھایا۔

Akram Allahabadi

''ہیلو، جی میں مسز اگروال بول رہی ہوں۔کیا...؟''اوراگروال کی مسز کے ہاتھ کانپنے لگے۔آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''سنیے۔''وہ وہیں سے چیخیں اوراگروال اپنا کوٹ پھینکتے ہوئے گھبرا کر دوڑ پڑے۔

''کیوں کیا بات ہے؟''

''وہ...روئی...آپ کے گودام...''وہ بمشکل ادا کرسکیں۔

''جلدی بولو، کیا بات ہے؟ لاؤ ادھر۔''انھوں نے رسیور اپنی پتنی کے ہاتھ سے چھین لیا،لیکن ایک منٹ بعد ہی وہ تیورا کر گر پڑے۔رسیور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ان کی پتنی چیخ مار کر ان پر جھک گئیں۔ملازم شور سن کر دوڑ پڑے۔ایک نوکر دوڑ کر پانی لے آیا اوراگروال کے منہ پر جب کئی بار پانی کے چھینٹے مارے گئے،تب انھوں نے آنکھیں کھولیں،لیکن ان کے حلق سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے برسوں کے بیمار ہوں۔چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں ویران نظر آرہی تھیں۔

''کک کیا ہوا؟ آگ بجھی؟''انھوں نے ڈوبتی آواز میں پوچھا۔

''بجھائی جارہی ہے۔''بیوی نے انھیں سمجھانے کے لیے کہا۔

''مجھے... مجھے وہاں لے چلو۔ہائے،اس کا تو انشورنس بھی نہیں ہوا ہے۔'' وہ نڈھال اور مدھم لہجے میں بولے۔

کاربار ہر پورٹیکو میں ہی موجود تھی اور ڈرائیور بھی تھا۔ایک ملازم اگروال کے ساتھ بیٹھ گیا اور وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔

اگروال کو اطلاع دیر سے پہنچی تھی اور خود ان کے مہتا کو گودام میں آگ لگنے کا علم دیر سے ہوا تھا۔وہ پہلے اندر ہی اندر بھڑکی، پھر ایک دم بھڑک اٹھی۔ایک گودام سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا۔

ایک درجن فائر انجن آگ بجھانے میں مصروف تھے،لیکن آگ قابو میں نہ آتی تھی۔

رات کے دس بجے تک بمشکل اس پر قابو پایا گیا، لیکن بالکل سرد نہیں ہو سکی۔ چار گودام تو بالکل جل چکے تھے۔ پانچواں صرف آدھا سلامت رہا تھا۔ اور اس میں بھی سالم رہ گئی گانٹھیں ادھ چلی تھیں۔

رام نرائن اگروال جب واپس لوٹے تو ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ بیوی نے سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئے۔

اس وقت ان کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی صدمہ حاوی تھا۔ اصل رقم تو ڈوبی ہی تھی، لیکن وہ بینک کا پانچ لاکھ جو ہنڈی پر لیا گیا تھا، کہاں سے بھر سکیں گے؟

☆☆☆☆☆☆

سپرنٹنڈنٹ خان رام نرائن اگروال کی خودکشی کی خبر سنتے ہی چونک پڑا۔ اسے یہ اطلاع ابھی ابھی مسز اگروال نے فون پر دی تھی۔ اس وقت صبح کے ۷ بج چکے تھے اور وہ ناشتے کی میز پر پہنچا ہی تھا کہ مسز اگروال کا فون آ گیا۔ سارجنٹ بالے اس وقت غسل خانے میں تھا۔ وہ جیسے ہی نکلا اس نے خان کو ناشتہ کرنے کی بجائے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور کوئی خاص بات ہو گی۔ وہ جان بچانے کے لیے واپس غسل خانے میں گھسنا چاہتا تھا کہ خان کی نظر اس پر پڑ گئی۔

''چلو جلدی سے زہر مار کر لو۔'' خان نے ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کہاں چلے؟'' بالے نے پوچھا۔

''میں رام نرائن اگروال کی رہائش گاہ پر جا رہا ہوں۔ تم بھی تیار ہو کر وہیں آ جاؤ۔'' خان نے کوٹ کندھے پر ڈال کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''بالے مدراسیوں کے انداز میں اس طرح تولیہ کندھے پر ڈال کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ خان کی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز کے ساتھ اس نے ناشتہ شروع کیا اور تلے

Akram Allahabadi

ہوئے انڈوں میں نمک زیادہ ہونے پر غلام رسول کو دی جانے والی مہذب گالیوں پر ختم کیا۔ پھر وہ لباس تبدیل کر کے اپنی موٹر سائیکل پر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

خان باہر برآمدے میں ہی علاقے کے انسپکٹر انچارج وکھشنکر کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ پولیس کے دو مسلح سپاہی دروازے پر موجود تھے۔ ایک سپاہی اندر ایک کمرے کے نزدیک دروازے پر کھڑا تھا۔ پورٹیکو میں پولیس کی جیپ کار موجود تھی۔ بالے خان کے قریب جا کھڑا ہوا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ ابھی تم ناشتے میں ہی الجھے ہوئے ہو گے۔''

''میں تو اس فکر میں الجھا ہوا تھا کہ میری یہاں کیا ضرورت ہے۔''

''مسٹر اگروال نے ٹھیک اسی وقت پر خودکشی کی ہے جو ملک الموت کے اس خط میں ان کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔'' خان نے اس کی بات ان سنی کر کے کہا۔

''کیا مطلب؟ یعنی... یعنی وہ بات سچ نکلی؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''کچھ ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔ مسز اگروال کے بیان کے مطابق وہ رات کو گیارہ بجے لوٹ کر آئے تھے اور تب سے اپنے ہی کمرے میں پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ پھر ساڑھے بارہ بجے ان کے کمرے کی بتی بجھ گئی۔ ایک ملازم کا بیان ہے کہ اس کے کچھ دیر بعد اس نے مسٹر اگروال کے کمرے سے کچھ آواز سنی تھی، جیسے وہ بڑبڑا رہے ہوں۔ جیسا کہ ایسی کیفیتوں میں بالعموم ہوتا ہے۔ پھر سناٹا چھا گیا۔''

''لیکن بارہ بج کر ۲۰ منٹ پر مسز اگروال کے دل میں کچھ خدشہ سا پیدا ہوا، جب انھیں اس عجیب وغریب خط کا خیال آیا۔ ان کا دل نہ مانا تو وہ اسی وقت اٹھ کر شوہر کے کمرے کی طرف چلی گئیں اور دروازہ کھٹکھٹایا، مگر اندر سے جواب نہ ملا۔ ایسی ذہنی کوفت کے عالم میں

مسٹر اگروال کا اتنی جلد سوجانا غیر قدرتی سا معلوم ہوتا تھا، اس لیے مسز اگروال نے اور زور سے ان کا دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ نوکر بھی اٹھ کر آ گئے، مگر اس قدر شور کے باوجود اندر سے انھیں کوئی جواب نہ ملا۔ تب دروازے کو توڑا گیا اور انھیں اندر اگروال صاحب کی لاش ایک بجلی کے تار کے ذریعے چھت سے لٹکی نظر آئی۔ انھوں نے خودکشی کر لی تھی۔ پاس ہی لڑھکی ہوئی میز کے قریب ایک خط پڑا تھا جس میں وہ لکھ گئے ہیں کہ وہ ان دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ بینک والے ان کے گھر کی ایک ایک اینٹ نیلام کر دیں گے۔ اس لیے وہ اس وقت کے آنے سے پہلے ہی خودکشی کر رہے ہیں۔'' خان نے بالے کو بتایا۔

''تو بجلی کا وہ تار کیا ملک الموت نے فراہم کیا تھا؟''

''نہیں، میں نے خود دیکھا ہے۔ وہ ٹیبل لیمپ کا زائد کنکشن ہے، جو وقت ضرورت اسے فاصلے تک لے جانے کے لیے جوڑ لیا جاتا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''تعجب ہے۔'' بالے سوچ میں پڑ گیا۔

''تعجب کی بات ہی ہے، اس واقعے کو کسی پہلو سے مشتبہ نہیں قرار دیا جا سکتا، سوائے اس خط کے اور جو کچھ ہوا ہے وہ اس کے عین مطابق ہوا ہے۔'' خان نے کہا۔

''آپ نے بھی خودکشی کی تصدیق کر دی؟'' بالے نے پوچھا۔

''مسٹر اگروال کا اسٹاک بیمہ شدہ نہیں تھا، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے نقصان کا جو انھیں پائی پائی کا محتاج کر دے، انھیں کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا، لیکن ملک الموت کا وہ خط ضرور ایک پراسرار چیز بن گیا ہے۔ سب کچھ اس طرح ہوا ہے، جیسے ایسا ہونا مقدر تھا۔'' خان نے بتایا۔

''وہ خط ملا آپ کو کہیں؟'' بالے نے آہستہ سے دریافت کیا۔

''نہیں، ممکن ہے مسٹر اگروال نے ہی اسے مذاق سمجھ کر کہیں پھینک دیا ہو۔'' خان بولا۔

''تب تو بات غور طلب ہے بھی اور نہیں بھی۔''

''غور طلب ان کے گوداموں کی آتشزدگی ہے جسے اگر قدرتی امر قرار دیا جائے تب بھی یہ جاننا ضروری ہوگا کہ آگ لگی کس طرح۔'' خان نے کہا۔

''فائر بریگیڈ والے بھی اس پر روشنی نہیں ڈال سکے؟'' بالے نے پوچھا۔

''کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔''

''تو ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''ایک اصولی تفتیش۔''

''میری ضرورت ہے؟''

''خانہ پری کے لیے کم از کم متعلقین اور نوکروں کے بیان تو لے ڈالو۔''

''یہاں کی اسٹیشن پولیس کا کام تھا یہ تو۔''

''ہمارا بھی کام ہے، میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔''

''او کے پاس۔''

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسرا خط

''اے لو تو اب ملک الموت خاں چٹھی مٹھی بھی لکھنے لگے اور وہ بھی ایک خوبصورت عورت کو جو آپ جیسی ہو۔'' شوکت نے وہ خط پڑھنے کے بعد مسز پارکر کو واپس کرنے کے ساتھ ساتھ گول مول الفاظ میں اس کے حسن کی تعریف بھی کر دی۔ انگریزی وہ صرف بھوپال سے بمبئی تک ہی پڑھا ہوا تھا، اس لیے خط کا پورا مفہوم اس کی سمجھ میں نہ آیا، لیکن خود مس پارکر نے اسے جو کچھ بتایا وہ اسی کو نفسِ مضمون سمجھا۔

''دیکھیے، خان صاحب اور ان کے اسسٹنٹ آپ کے دوست ہیں۔ میری بات کو وہ محض میرا وہم سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دے رہے۔ آپ ان پر زور ڈالیں تو وہ ضرور توجہ کریں گے۔''

''اے لو، کائے کو نئیں کریں گے، ان کے باپ کریں گے۔ یانی کہ بالے بھائی کے...'' شوکت نے اسے یقین دلایا۔

''آپ میرے مرحوم شوہر کے دوست ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ میری مدد ضرور کریں گے۔''

''شور (sure) شور (sure) یانی کائے کو نئیں کروں گا، ضرور کروں گا۔ آپ کی نئیں کروں گا تو کس کی کروں گا۔ میں بالے بھائی کو یئیں بلوائے لیتا ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر ٹیلیفون اٹھایا اور ڈائل گھمانے لگا۔

دوسری طرف بالے کے آفس کا رائٹر بول اٹھا۔

''میاں خان میں شوکت بول رہا ہوں، ذرا بالے بھائی کو بلوا ؤنا۔''

''ابھی بلاتا ہوں۔'' ادھر سے جواب ملا۔

Akram Allahabadi

بالے تھوڑی دیر بعد ہی فون پر پہنچا۔

''ہاں بولو، جاگیردار۔''

''میاں خاں ذرا یہاں آجاؤنا۔''

''کیوں؟ کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''خاصم خاص ہے، تم آؤتو۔''

''نہیں پہلے بات بتاؤ۔''

''ایک موتر ما (محترمہ) سے ملاؤں گا۔''

''کہاں سے ٹپک پڑیں؟''

''مُنیں خان، میرے دوست کی بیوی ہوں، ارے مُنیں، یانی ہیں۔''

''اچھا میں آتا ہوں۔''

''آؤآؤ، جلدی آؤ۔''

فون رکھ کر وہ پھر مسٹر پارکر سے مخاطب ہوگیا۔

''بس ابھی آتے ہوں گے۔'' اس نے بتایا۔

''بہت بہت شکریہ آپ کا۔''

''ارے مُنیں، کائے کو آپ شرمندہ کرتی ہیں، مجھے تو ئی بھوت افسوس ہے کہ آپ اتّی جوانی میں بیوہ کیسے ہوگئیں۔ ہائے مسٹر پارکر بھی کتے بدنصیب تھے ہائے۔'' شوکت یہ کہتے ہوئے سرد آہ بھری اور مسز پارکر کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے کچھ ایسی اداس شکل بنائی جیسے بیوگی کے غم کا پہاڑ خود اسی پر ٹوٹ پڑا ہو۔ مسز پارکر کچھ دیر تک اسے تعجب کی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرادی۔ شوکت چونک پڑا۔

''اے لو، یانی آپ تو ہنس رئی ہیں اور میں ماتم پرسی کررہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''وہ وقت تو کبھی کا گزر چکا، اب تو میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔'' اس نے پر

اطمینان لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں، کائے کو نئیں، آدمی بھلا ایسا ہی غم کرے تو پھر اس میں اور دلیپ کمار میں نہیں، یانی دیوداس میں فرق ہی کیا۔''

''شوکت صاحب آپ کا بھی دم غنیمت ہے،'' مسز پارکر نے ہنس کر جواب دیا۔

''جیاں جیاں، میں تو ہمیشہ خدمت کو حاضر ہوں۔'' وہ فدویانہ لہجے میں بولا۔

''آپ کے یہ سارجنٹ دوست کچھ خشک قسم کے آدمی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''کون...؟ وہ، ارے نئیں وہ تو بھوت حر...'' کچھ کہتے کہتے شوکت کو اپنا منہ ہاتھ سے بند کر لینا پڑا، کیونکہ بالے اسے دروازے میں نظر آ گیا تھا۔

''شاید میری ہی تعریف ہو رہی تھی؟'' بالے نے قریب آتے ہوئے اس سے کہا۔

''بکلل، بالکل، یانی میں ان سے کے رہا تھا کہ بالے بھائی بھوت ہیرا آدمی ہیں۔'' گھبرا کر شوکت نے جلدی سے بات بنانا چاہی۔

''ہیرا یا حرا...'' بالے مسکرایا۔

''اے لو، اب زبان ہی تو ہے، پھسل گئی تو میں کیا کروں۔'' شوکت نے ایک آنکھ دبا کر مسز پارکر کو تائید کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ بول پڑی۔

''جی ہاں، یہ آپ کی بہت تعریف کر رہے تھے۔'' مسز پارکر نے جلدی سے کہا۔

''تعریف اس خدا کی جس نے گدھا بنایا۔''

''کیا مطلب؟'' شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''ارے بھئی، تعریف پر ایک شعر یاد آ گیا تھا، سو سنا دیا۔ تم اپنی کہو۔''

''ان کو جانتے ہو نا؟'' شوکت نے مسز پارکر کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں، یہ مجھ سے میرے آفس میں مل چکی ہیں۔'' بالے نے مسز پارکر کو ایک بار پھر دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''مگر تم نے ان کی بات کاں سنی تھی۔''

''کون کہتا ہے؟''

''اے لو، یہ خد کہتی ہیں۔''

''غلط فہمی ہوئی ہوگی، میں برا نہیں ہوں۔''

''اوہ، معاف کیجیے گا، ان کا یہ مطلب نہیں ہے۔'' مسز پارکر نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے شوکت کی وکالت کی۔

''مسز پارکر، میں اس جاگیردار کا مطلب آپ سے زیادہ سمجھتا ہوں۔''

''یہ بات میں نہیں سمجھی، معاف کیجیے گا۔'' مسز پارکر مسکرائی۔

''آپ کے سمجھنے کی بات بھی نہیں ہے، معاف کیا۔'' بالے بھی مسکرا دیا اور شوکت کا چہرہ بپھر گیا۔

''اے لو، آپ مزاخ بھی فرمانے لگے۔ میاں خاں یہ میرے مرحوم دوست کی بیوہ ہیں۔'' شوکت سے نہ رہا گیا۔

''مجھے تو تم ہی شکل سے بیوہ نظر آ رہے ہو۔''

''ارے واہ، تم خد ہو گے بیوہ بلکہ ٹھیوا۔ یہ کوئی تک ہے سالی مزاخ کی ہوشت۔'' شوکت کا منہ لٹک گیا، لیکن بالے نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

''مسز پارکر، آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ان بچاری کو ایک ملک الموت نے چٹھی مٹھی لکھی ہے۔'' شوکت نے ہی اس کی طرف سے بتا دیا۔

''اور میں اسی لیے آپ کے پاس نہیں آئی کہ آپ پھر میرا مذاق نہ اڑائیں۔'' مسز پارکر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور جب آپ کا ہی رویہ ایسا رہا تو خان صاحب تک پہنچنے کی میں نے جرأت نہیں کی۔'' اس نے کسی قدر اداس لہجے میں کہا، لیکن وہ پھر چپ ہو کر بالے کی شکل

Akram Allahabadi

دیکھنے لگی۔وہ قطعی سنجیدہ تھا اور چٹھی کا ذکر سن کر چونک پڑا۔

''کہاں ہے وہ خط؟'' بالے نے طلب کیا۔

''یہ لیجیے، خود دیکھ لیجیے۔'' اسنے پرس سے وہ رنگین لفافہ نکال کر بالے کی طرف بڑھادیا جو شوکت سے واپس لے کر اس نے پرس میں رکھ لیا تھا۔

بالے نے کھول کر دیکھا اور سوچ میں پڑ گیا۔اس کی عبارت بھی ویسی ہی تھی جیسی خان نے رام نرائن اگروال کو موصول ہونے والے خط کے بارے میں بتائی تھی۔خط میں اسے انسان نمبر ۲۷۵۲۱۳ ۶۰۱۲۵۸۹۳۸۷۳۵۲۱۱۸۹ سے مخاطب کیا گیا تھا۔دو روہی تھا، جو اگر وال والے خط میں تھا۔اور اس کی موت کا دن اور وقت ساتویں دن رات کو ایک بجے مقرر کیا گیا تھا۔اور آخر میں منجانب ملک الموت لکھا تھا۔آگاہی کے ساتھ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ راہی بقا ہونے سے قبل حقداروں کو ان کا حق پہنچادو۔

رام نرائن اگروال کو موصول ہونے والا خط اپنی اولین نوعیت کی وجہ سے ایک مذاق ضرور معلوم ہوتا تھا، لیکن عین اسی کے مطابق رام نرائن اگروال کی موت واقع ہونے سے اس کی پراسرار اہمیت کا احساس خان کو بھی ہو چکا تھا ویسے بظاہر اس نے اس کا تذکرہ معمولی طور پر ہی کیا تھا۔اس دوسرے خط نے بالے کو چکر میں ڈال دیا۔

''یہ خط آپ کو کس طرح ملا کب ملا؟'' بالے نے اس سے دریافت کیا۔وہ بالے کو اتنی سنجیدگی سے اس کے متعلق استفسار کرتے دیکھ کر گھبرا گئی۔

''تو..تو کیا واقعی؟'' اس نے خوف سے متاثر لہجے میں پوچھا۔

''گھبرایئے نہیں، میرے سولات کے ٹھیک ٹھیک جواب دیجیے۔'' بالے نے نرم لہجے میں کہا۔

''یہ خط مجھے آج سویرے میرے بستر کے سرہانے ملا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اور آپ کو یہ اچھی طرح یقین ہے کہ رات وہاں کچھ نہ تھا؟''

Akram Allahabadi

''بالکل نہیں، میں نے خود اپنے بستر کی شکنیں درست کی تھیں۔''

''رات کوئی آپ کی خوابگاہ میں آیا تھا؟''

''میں دروازہ اندر سے بند کر کے سوتی ہوں۔''

''کھڑکیاں کھلی رہتی ہوں گی؟''

''وہ تو سردی کے دنوں میں بھی کھلی رہتی ہیں، کیونکہ تازہ ہوا کے بغیر میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔'' مسز پارکر نے بتایا۔

''کیا آپ کا روم ابھی تک اسی حالت میں ہوگا؟''

''میں نے نوکروں سے بھی اس خط کو کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ویسے اس کی صفائی تو کی جا چکی تھی۔''

''ہُم...'' بالے پھر سوچنے لگا اور وہ اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''مجھے اپنے بھتیجے پر شک ہے۔ وہ مجھے قتل کی دھمکی بھی دے چکا ہے۔'' مس پارکر نے اپنی پرانی بات دہرائی۔

''محترمہ، جو گرجتے ہیں، وہ برستے نہیں۔ اس میں آپ کے بھتیجے کا ہاتھ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تو ایک عجیب سلسلہ ہے۔'' بالے کے منہ سے نکل گیا۔

''سلسلہ...؟'' وہ چونک پڑی۔ ''کیسا سلسلہ؟'' اس نے پوچھا۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وقعی ملک الموت نے انسانوں کی روح قبض کرنے سے پہلے آگاہ کرنا شروع کر دیا ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آگاہی مخصوص لوگوں کو کیوں دی جاتی ہے، موتیں تو عام ہوتی رہتی ہیں۔'' وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

''بالکل ایسا ہی ایک واقعہ ہو چکا ہے۔'' بالے نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''کس کا؟'' شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''رام نرائن اگروال کا۔ ملک الموت کے خط عین مطابق ان کی موت خودکشی

Akram Allahabadi

سے واقع ہوئی ہے۔'' بالے کے انکشاف نے مسز پارکر کو زرد کردیا اور شوکت کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''اللہ رحم کرے، کہیں سالی اپنی چٹھی بھی نہیں آجائے۔'' شوکت کان تھام کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''یعنی... یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ... یہ واقعی ملک الموت کا خط ہے؟'' مسز پارکر نے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، اچھا ہوا کہ آپ نے آج ہی میں اس کی اطلاع دے دی۔ جو کچھ بھی حقیقت ہے، وہ سامنے آجائے گی۔ میں خود اس دن آپ کے ساتھ رہوں گا۔'' مسز پارکر کی وحشت دور نہ ہوسکی۔

''آپ ابھی کسی فکر میں نہ پڑیں۔ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔'' بالے نے اطمینان دلایا۔

''میاں خاں، موت کے وقت کو تو حکیم لقمان علی خاں بھی نہیں ٹال سکتے تھے۔'' شوکت نے اپنی عقلمندی کا مظاہرہ کیا۔

''یار تم بوکھل ہو پورے، خوامخواہ انھیں ڈرا رہے ہو۔''

''میاں خاں، تم خد ہو گے بوکھل موکھل۔ اے لو، بات تو خد ایسی چھیڑی اور الزام مجھ پہ۔''

''مس پارکر، آپ یہ خط میرے پاس چھوڑ دیجیے اور اپنے گھر تشریف لے جایے، میں وہیں آپ سے آکر ملوں گا۔ اور ہاں کھڑکیاں اسی طرح کھلی چھوڑ کر اپنی خوابگاہ کو باہر سے بند کروا دیجیے گا۔'' بالے نے کہا۔

''لیکن میرا بھتیجا...؟'' مسز پارکر نے پھر کہنا چاہا۔

''جی، کہہ تو رہا ہوں کہ یہ دوسری ہی بات ہے اور ابھی پورے چھ دن باقی ہیں، کم از

کم چھ دن تو آپ سکون سے گزار لیجیے۔'' بالے نے اسے سمجھایا۔ ''آگے میں سمجھ لوں گا۔''

''آپ کہتے ہیں تو...'' یہ کہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شوکت صاحب، میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔'' اس نے چلتے چلتے کہا۔

''لو اور لو، شکریا مکریا کائے کا، یہ تو اپنا فرض (فرض) انسانیت ہے۔ یانی کہ مصیبت میں کسی کے کام آنا۔ میں ابھی بابے بھائی کے ساتھ آ کے آپ کی حفاظت کروں گا۔''

''حفاظت میں کرلوں گا، مفاظت تم کر لینا۔ اچھا آپ جایے مسز پارکر، فکر نہ کیجیے۔'' بالے نے رخصت کیا اور وہ کچھ متذبذب سی اپنا پرس سنبھال کر چلی گئی۔

''میرے خد کے سے جاؤ تمہیں ہمدردی کرلو۔ بس جوان عورت دیکھی اور ٹپکی رال۔'' شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''رال تو بچوں کی ٹپکا کرتی ہے۔'' بالے نے ہنس کر کہا۔

''اور مزاخ کیا میرا باپ کر رہا تھا اس سے؟'' شوکت نے اور چڑ کر کہا۔

''تمہاری سہیلی سمجھ کر مذاق کیا تھا۔'' بالے نے کہا۔

''سہیلی ہوگی تمہاری، میاں خاں۔ اللہ نہ کرے کوئی میں وہ ہوں۔'' شوکت اور گرام ہوگیا۔ ''اور کوئی میں وہ ہوں'' کا مطلب سمجھ کر بالے کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''میں تو یہ سوچ کر ہنس رہا ہوں کہ اگر کہیں تمہیں بھی کوئی چھٹی آ گئی تو تمہارا کیا حال ہوگا۔'' بالے نے ہنسی روک کر کہا۔

''میں چٹھی کا جواب دے دوں گا۔''

''کیسے؟''

''جو بھی چھٹی لکھے گی سالی۔''

''میں سالی کی بات نہیں کر رہا ہوں، ملک الموت کی چٹھی کا ذکر کر رہا ہوں۔''

''باپ رے۔'' شوکت لرز اٹھا۔ ''تب کیا ہوگا؟''

Akram Allahabadi

''اسی لیے تو کہتا ہوں کہ تھوڑی سی رہ گئی ہے مزے سے گزار دے۔''

''یانی؟''

''یانی بیلا میں آج کل بڑے دلچسپ پروگرام ہو رہے ہیں۔'' بالے نے بتایا۔

''اے لو، وہیں تو مسٹر پارکر سے میری دوستی ہوئی تھی۔ وہ روز وہاں آیا کرتے تھے اور ایک دن میں ایک پارٹی میں بھی پہنچ گیا تھا۔''

''اور ان کی حسین بیوی کو دیکھ کر پھسل بھی گیا تھا۔''

''ہوشت، وہ تو بچاری اتی شریف ہے۔''

''لا بیلا میں سب شریف زادیاں ہی آیا کرتی ہیں۔''

''یعنی بہت سی زادیس آتی ہیں۔''

''بیٹے، ہر زاویے سے حسین چوکھٹے نظر آتے ہیں۔''

''یار بالے بھائی، اللہ قسم اپنا تو جی چاہتا ہے کہ جیسے قوہ کاف میں پیدا ہوتے۔'' شوکت نے کسی خوشگوار تصور سے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

''کوہ قاف۔ کوئی پڑھا لکھا سنے گا تو تمہاری لیاقت پر دو چپت لگائے گا۔'' بالے نے اسے ٹوکا۔

''قاف گاف میں فرق ہی کتنا ہوتا ہے۔ مگر یہ کائے کی بحث لے بیٹھے۔''

''لا بیلا کی۔''

''تو کرالو نا ایک میز رزرو۔''

''میری آمدنی حرام کی نہیں ہے۔''

''یانی میری حرام کی ہے۔ لانت ایسی دوستی سالی پے اور تیل لینے گیا سالا لا بیلا۔'' شوکت کا منہ پھول گیا۔

''ہمامان گئے ڈیئر؟''

''ڈیئر بھی گئے تیل لینے۔''

''میں تو یہ کہا تھا کہ میں تمہاری طرح بڑا آدمی تھوڑی ہوں۔''

''وہ بھی گئے تیل لینے۔''

''تو تم بھی جاؤ تیل لینے۔'' بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے ہاں نئیں تو، ایک تو کھلاؤ پلاؤ تفری کراؤ، اوراوپر سے حرام کے بھی بنو۔''

''اچھا جاؤ حلال کے، بس خوش۔''

''زبان جو ٹھیری، کدھر بھی گھما دی۔'' شوکت ہنس پڑا۔

اسی وقت شموڑے میں چائے وغیرہ لے آیا۔

''سلام علیکم، میاں۔'' اس نے بالے کو سلام کیا۔ بالے نے صرف سر ہلا دیا۔

''میں، میں نے ایک بھوت بڑی خبر سنی ہے۔'' وہ بالے سے ہی مخاطب تھا۔

''کیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''یانی دو بیویوں والوں کی ایک بیوی گورنمنٹ چھین لے گی۔''

''تمہاری دو ہونگی؟''

''ارے یہ سالا تو تیسری کی بھی فکر میں ہے۔'' شوکت نے دخل دیا۔

''نئیں میاں، اللہ قسم دو ہی بھوت ہیں۔ سو نخرے ہوتے ہیں سالیوں کے۔''

''تب پھر کیا اعتراض ہے ایک بخش دو سرکار کو۔''

''اے لو میاں، کوئی بات ہوئی یہ؟ کون سالا مرد ہوگا جو اپنی بیوی پرائے کو دیدے۔'' شمو کو بالے کا یہ مشورہ برا معلوم ہوا۔

''ابے چڑی کے اٹھے، وہ حکم سرکاری نوکروں کے لیے ہے، تیرے لیے نہیں ہے کوچھ۔''

''سچ میاں؟''

Akram Allahabadi

''تو میں جھوٹ بول رہا ہوں، سالے۔'' شوکت بگڑ گیا۔

''نہیں میاں، اللہ قسم جو یہ مطلب ہو۔ میاں، جھوٹا میرا باپ اس کا بھی باپ۔''

''بس بس، اب کنی کاٹ یاں سے۔'' شوکت نے اسے جانے کو ہدایت کی۔

''اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے، اپنی تو بچ گئی۔'' شمو بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

''ہے نا ہولو سالا۔'' شوکت اس کی تعریف کر کے ہنس پڑا۔

''لا بیلا؟! اچھا تو لا بے لا۔''

بالے ہنستا ہوا چلا گیا، لیکن باہر آ کر اسے پھر سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ اس کو مسز پارکر کے موصول ہونے والے خط کا خیال آ گیا۔ اس نے اسے ہمت دلانے کے لیے اگرچہ بظاہر اس خط کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ خط کوئی مذاق نہیں ہے۔ اس کی نوعیت بہت پراسرار ہے تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ رام نرائن کی موت کا اس طرح ہو جانا محض اتفاق تھا۔

اس نے یہی ضروری سمجھا کہ سب سے پہلے سپرنٹنڈنٹ خان کو اسکی بابت بتا دے۔ خان اس وقت دوپہر کے کھانے پر گھر پہنچ چکا تھا۔ بالے جب پہنچا تو وہ اسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا، لیکن کھانے کے دوران میں وہ کچھ نہ بولا۔ کھانے کی میز سے اٹھ کر اس نے بالے کی خبر لی۔

''کہاں تھے تم؟ میں تو سمجھا تھا کہ تم سیدھے یہیں آؤ گے۔''

''مجھے شوکت نے فون پر بلا لیا تھا۔''

''کوئی خاص بات؟''

''جی ہاں، یہ خط۔'' بالے نے جیب سے وہ خط نکال کر خان کی طرف بڑھا دیا۔ ساتھ ہی مسز پارکر کی پوری روداد کہہ سنائی۔

''چلو اب معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔'' خان نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''غور کی بات یہ ہے کہ اگر وال کو اس کی زبان میں خط ملا تھا اور مسز پارکر کو انگریزی میں اور عبارت بھی کافی شستہ ہے۔''

''یہ ملک الموت کم از کم گریجویٹ تو ہوگا۔''

''پنڈت راہل سنسکرتائن سے کم نہیں معلوم ہوتا۔'' خان مسکرایا۔ ''میں سمجھتا ہوں وہ اور بھی زبانیں جانتا ہوگا۔''

''ملک الموت کو انسانوں کی ہی نہیں، جانوروں کی بھی زبان جاننی چاہیے۔''

''سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہیے کہ ملک الموت ہے کون؟''

''کیا خیال ہے آپ کا؟''

''پہلے بات مذاق معلوم ہوتی تھی، اب اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ بہر حال جہاں تک ہمیں سمجھنا چاہیے، قدرت کا کوئی محکمہ ایسا تو نہ ہوگا جو بندوں کو چھٹیاں لکھے۔'' خان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے میں نے اگر وال کیس کو ڈراپ نہیں کیا ہے، خفیہ طور پر اس کی تحقیقات ہو رہی ہے۔''

''میں نے مسز پارکر سے حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔''

''وعدہ قانونی ہے اور اس کا انتظام کیا جائے گا۔ ویسے تم اس کے بھتیجے کو چیک کرو، ممکن ہے قبل از وقت کوئی سراغ نکل آئے۔''

''میں یہ سوچ چکا ہوں اور آج لا بیلا میں اسی خدمت کے لیے جا رہا ہوں۔''

''خدمت اور لا بیلا میں؟''

''ایک بار پہلے بھی مسز پارکر مجھے اپنے بھتیجے کا ذکر کیا تھا اور کچھ یونہی میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ روز لا بیلا میں رقص دیکھنے جاتا ہے، لیکن مجھے اس کی شخصیت مشتبہ نہیں معلوم ہوئی، اس لیے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔''

''خیر اب پھر سے اس کی روشنی میں اس پر توجہ دو۔''

Akram Allahabadi

''مسز پارکر پر بھی توجہ دے سکتا ہوں؟''

''کیوں؟''

''۳۴۔۳۵ سال کی ہوتے ہوئے بھی ۱۸ سال کی معلوم ہوتی ہے۔''

''اسی قاتل تو رہ گئے ہو تم۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میرا مطلب تھا اس کے عاشقوں فہرست وغیرہ۔ ہندوستانی عیسائی عورتیں کافی ترقی پسند ہوتی ہیں۔''

''اگر میں معمولی معمولی باتوں کے لیے بھی تمہیں ہدایت دوں تو تم کس مرض کی دعا ہو۔'' خان جھنجلا گیا۔ ''میں اس مرض کی دوا ہوں جسے اردو زبان میں عشق کہتے ہیں اور جو شوکت بھائی کو مسز پارکر سے معلوم ہوتا ہے۔''

''تم نے اس بیل کی بھی عادت بگاڑ دی ہے۔''

''آپ کا خیال غلط ہے، وہ اس معاملے میں قیس و فرہاد کا بھی جدِ امجد واقع ہوا ہے۔ وہ تو بیچارے ایک ایک عدد پر ہی مرمٹے تھے، یہ کمبخت تو ہر زمین میں شعر کہتا پھرتا ہے۔''

''خیر خیر، تمہاری فضولیات تم جانو، مجھے صرف اپنے کام سے واسطہ ہے۔''

''آپ بڑے حاتم طائی ہو گئے ہیں ان دنوں۔''

''تم بچے نہیں ہو، جو میں تمہیں زندگی بھر سیاہ و سفید پر ٹوکتا رہوں۔''

''میں تو صرف سفیدے ہی پسند کرتا ہوں، چندے ماہتاب، چندے آفتاب وغیرہ وغیرہ۔''

''میں بھی دوں کچھ چندہ؟'' خان نے ہاتھ اٹھایا۔

''وہ جو کہا ہے کسی نے کہ انگور کھٹ....''

لیکن اسے اچھل کر باہر نکل جانا پڑا، ورنہ ایش ٹرے اس کے سر پر پڑ کر راکھ کی سفیدی بکھیر چکی ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

لا بیلا میں

لا بیلا میں بالعموم ہر شام کو نچلے ہال کی تقریباً تمام ہی میزیں مخصوص ہو جایا کرتی تھیں۔ روز نئے آنے والوں کو مسترد شدہ نشستوں پر جگہ ملتی تھی یا پھر جو نشستیں محض اتفاق سے خالی رہ جائیں۔ سروس تو خیر لا بیلا کی مشہور تھی ہی اور پورا ہوٹل ایر کنڈیشنڈ تھا، لیکن جو خصوصیات مہمانوں کو دور دور سے کھینچ کر یہاں لے آتی تھیں، وہ میریا لانٹ کی تھی۔ بھری بھری پنڈلیوں کی سڈول بدن حسینہ اپنے کندن جیسے پر شباب جسم کے ساتھ لوگوں کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی۔ لا بیلا کی صرف ایک چائے کے سیٹ کا بل فی کس چار روپے ہوتا تھا، لیکن میریا کے حسن و شباب کی کشش یہاں سکریٹریٹ کے ان کلرکوں تک کو گھسیٹ لاتی تھی، جن کی ماہانہ آمدنی ۲۰۰ روپے سے بھی تجاوز نہ کرتی تھی۔ وہ اپنی اوقات سے باہر رقم خرچ کر کے یہاں عیش پرست دولتمندوں کے برابر میں بیٹھنے نہیں آتے تھے، وہ آتے تھے میریا کے گداز گورے نیم عریاں جسم کے جلوؤں سے اپنی نگاہوں کی بھوک مٹانے، اس کی چند قاتل مسکراہٹوں کی قیمت ادا کرنے۔ اس کے لوچدار کمر میں رقص کرتے ہوئے جو بل پڑتے تھے، اس پر قربان ہونے۔ موسیقی کے ایک اسٹروک کے ساتھ تھرک کر ابھر آنے والے کولہوں کو حریصانہ نگاہوں سے گھور گھور کر راتوں کو اس کے تصور سے اپنے خواب سجانے۔ اور وہ بھی آتے تھے، جن کی بلڈنگیں تھیں، کاریں تھیں، میریا سے بہتر بیویاں تھیں، لیکن مشرقی تھیں۔ وہ اس کی اداؤں پر اپنی دولت لٹانے آتے تھے۔ اس کے پاس اپنے غیر مطمئن جذبات کی تسکین ڈھونڈنے آتے تھے۔ بالے یہاں اکثر آیا کرتا تھا، کیونکہ اس قدر اہتمام کے باوجود یہ ہوٹل بڑا پر سکون تھا۔ آداب مجلس سے واقف لوگ یہاں آتے تھے۔ اس لیے کبھی کوئی شور یا ہنگامہ نہ ہوتا تھا۔ شوکت یہاں ایک بار پہلے بھی آچکا تھا، لیکن یہاں کے اجنبی ماحول میں وہ زیادہ دیر نہ رہ سکا۔ بالے کے ساتھ جب وہ لا بیلا

Akram Allahabadi

میں داخل ہوا تو خوشی سے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ یہاں حسین چوکھٹوں کی بھرمار تھی۔

"واہ واہ، سبحان اللہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" بالے نے انجان بن کر پوچھا۔

"یعنی آنکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے۔"

"اور ڈنڈے شاہ کا سرمہ کھائے۔"

"ہوشت، بات کاں کی اور جوڑ دی کاں۔"

"تم جاگیردار سے زیادہ مداری معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں جا ہوتے ہیں، تمہارے خد کے سے۔"

"اندر اسٹیوارڈ ڈیپلو نے ان کا استقبال کیا۔

"آپ کی ٹیبل اوپر بالکنی میں بک کی گئی ہے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے کہ نچلے ہال کی نشستیں پہلے سے بک کی جا چکی تھیں۔" اس نے ادب سے بتایا۔

"چلیے گا۔" بالے نے بمبئی کی زبان میں مسکرا کر کہا اور دونوں اوپر چڑھنے لگے۔

زینے پر دبیز قالین کا فرش تھا جس کی وجہ سے جوتوں کی خفیف سی آواز بھی نہ ہو پاتی تھی اور پھر مخملی گدوں والی نشستیں تھیں اور مدھم سفید روشنی میں یہاں کا ماحول بڑا فرحت بخش معلوم ہو رہا تھا۔ یہاں صرف تین میزیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک میز پر تین آدمی تھے جو خوش فکرے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گوری سی جوان لڑکی تھی، جس نے نئے فیشن کا سایا پہنا ہوا تھا جو آستینوں سے بے نیاز تھا اور ٹانگیں گھٹنوں تک کھلی ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، لیکن شکل خاصی تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے ان کے درمیان ہنس رہی تھی۔

دوسری میز پر ایک ادھیڑ عمر پارسی خاتون ایک جوان زردرو لڑکی ایک سانولے رنگ کا عیسائی لڑکا اور ایک موٹا سا گجراتی بیٹھے ہوئے تھے۔

شوکت کچھ دیر اس لڑکی کو گھورتا رہا پھر اس نے برا سا منہ بنا لیا۔

''کیوں؟ چوکھٹا تو اچھا خاصا ہے۔'' بالے نے پوچھا۔

''میاں خاں، لانت بھیجو سالی پہ۔ تین تین کی میو باما لوم ہوتی ہے۔''

''خیر صبر کرو، اللہ تمہیں بھی دیدیگا کوئی۔''

بالے یہ کہہ کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ نچلے ہال میں کوئی نشست خالی نہ تھی اور سامنے اسٹیج پر آرکسٹرا مدھم خواب آور موسیقی کی لہریں بکھیر رہا تھا۔ میروں کے علاوہ میزوں کے درمیان اسٹیوارڈ بھی ٹہل رہے تھے تاکہ کسی گاہک کو کوئی شکایت ہو تو وہیں رفع کردی جائے۔ ابھی تک میریا لانٹ نہیں آئی تھی۔ ساڑھے ۷ بجے اس کے رقص کا وقت تھا اور ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔

اچانک نیچے ہال میں کسی کو داخل ہوتے دیکھ کر بالے چونک پڑا۔ یہ مسز پارکر کا بھتیجا ہی تھا، ڈیوڈ ابراہام۔ بالے کو پہلے ہی یہاں کے اسٹیوارڈ سے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ یہاں روز آیا کرتا ہے۔ بالے نے اسے پہچان لیا تھا، لیکن وہ بالے سے واقف نہ تھا کیونکہ براہِ راست بالے نے اس کے متعلق اپنی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سانولے رنگ کی لڑکی تھی جسکے چہرے کے نقوش بڑے پرکشش اور موزونیت کے سانچے میں ڈھلا ہوا جوان جسم بڑی جنسی اپیل رکھتا تھا۔ وہ اپنے سانولے پن کے باوجود بڑی بھلی لگتی تھی۔ بالے کچھ دیر تک اسے اوپر سے گھورتا رہا۔ اتنے میں ایک اسٹیوارڈ اوپر آگیا یہ ڈیپلو ہی تھا۔ بالے کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور اشارہ پا کر اس کے نزدیک آگیا۔

''وہ بے چارے دونوں جگہ تلاش کر رہے ہیں شاید۔''

''جی نہیں، بلکہ آج انھیں آنے میں زیادہ دیر ہوگئی ہے، اس لیے ان کی میز ایک دوسرے مہمان کو دے دی گئی۔'' ڈیپلو نے بتایا۔

''یہ محترمہ ہیں کون؟'' بالے نے پوچھا۔

''خدا جانے، مسٹر ڈیوڈ تو ہر دو چار دن پر ساتھی بدلتے رہتے ہیں۔'' اسٹیوارڈ نے

بتایا۔بالے کی گفتگو سے چونک کر شوکت بھی اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگا تھا اور وہ اسے بھی بہت پسند آئی۔

''انھیں اوپر بھیج دونا۔''بالے نے اسٹیوارڈ کو آنکھ ماری۔

''اب تو بھیجنا ہی پڑے گا۔''وہ یہ کہتا ہوا مسکرا کر چلا گیا۔

پھر بالے نے اسے نیچے ڈیوڈ ابراہام سے باتیں کرتے دیکھا اور ڈیوڈ پھر اس لڑکی سمیت زینہ چڑھتا ہوا نظر آیا۔

اوپر آکر اس نے ایک نظر بالے اور شوکت کو دیکھا اور پھر دوسرے مہمانوں کو اور ان سب سے دور ایک کونے کی میز پر دونوں جا بیٹھے۔لڑکی کی کرسی پر بیٹھنے تک بالے کو دیکھ رہی تھی اور بالے بھی اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہو۔

''ڈیئر سکھٹ۔''اس نے شوکت سے کہا۔

''سیدھا نام لو میرا۔''شوکت مان گیا۔

''بھئی ہم تو مر مٹے۔''

''اللہ کرے سو بار مرو مٹو۔بے غیرتوں کو کہیں موت آتی ہے۔''

''اب مجھے عشق ہو گیا ہے۔''

''ایک منٹ میں؟''شوکت نے حیرت سے پوچھا۔

''ہونے والی بات تو ایک سیکنڈ میں بھی ہو جایا کرتی ہے۔''

''مگر کس سے؟''

''وہ جو نمکین لڑکی آکر بیٹھی ہے۔''بالے نے اشارہ کیا۔

''ہائے،واکئی؟نہیں یانی واقعی سالی سگے لیلیٰ مالوم ہوتی ہے۔''

''کیا معلوم ہوتی ہے؟''

''ارے وئی جسے مجنوں سالا بھوت پیار کرتا تھا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''مجھے تُمیں ہے پسند کلوٹی، سالی بینگن کلوٹی۔''

''انگور کھٹے ہیں۔''

''ہاں جاؤ ہیں، تمہیں مارلونا تیر۔''

بالے نے اسے جواب نہیں دیا، بلکہ اس لڑکی کو عشق زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ انداز ہ کچھ ایسا تھا جیسے اس کے چہرے پر نگاہیں چپک کر رہ گئی ہوں اور وہ کوشش کی باوجود نہ ہٹا سکے۔

''بالے بھائی۔''شوکت نے اسے جھنجھوڑا، مگر بالے نے جواب ہی نہ دیا۔

''لو گئے کام سے۔ بھائی کو عشق ہوا بھی تو اِتّا بھوت سا۔''

بالے نے پھر بھی جواب نہ دیا تو شوکت بھی جھنجلا گیا۔

''اچھا تو جاؤ اپن بھی اس تین والی سے ہی کیے لیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ گویا اس تین ساتھیوں والی لڑکی پر احسان جتانے کے لیے اسے ترسی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ان میں سے ایک آدمی نے گھوم کر شوکت کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا، لیکن بالے اور اس سانولی لڑکی میں باقاعدہ نظر بازی شروع ہو گئی تھی اور وہ ڈیوڈ کی نظریں بچا کر مسکرا بھی دیتی تھی۔

اچانک ان چار آدمیوں میں سے ایک اٹھا اور ان کی میز کی طرف بڑھنے لگا۔

''سنبھلو، شوکت بھائی، تمہارا ایک رقیب روسیاہ تمہاری مرمت کرنے آرہا ہے۔''

''اے لو، تو میں نے کیا کیا ہے؟ کیا سالی آنکھیں بھی پھوڑ ڈالوں اپنی۔ اللہ نے دی کائے کو ہیں۔''شوکت کچھ گھبرا گیا۔

''بس ڈر گئے؟''

''کون...؟ میں...؟ ارے لاحول پڑھو، میں اس سالی کے باپ سے بھی عشق کر کے دکھا دوں گا۔''

Akram Allahabadi

''یہ بات ہوئی کچھ۔'' بالے مسکرا دیا۔

وہ آدمی بڑی بے تکلفی سے ان کے نزدیک آ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور شوکت کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ شوکت نے بھی دانت دکھا دیے۔

''آپ کو پسند ہے وہ لڑکی؟'' اس نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے پوچھا۔

''ہے تو... نہیں یار نہیں ہے... بھلا... بھلا آپ کی وہ... اور میں... یار ایسا کیسے سوچ سکتا ہوں۔''

''اوہو، آپ تو خواہ مخواہ اتنی بات کو اہمیت دے رہے ہیں۔'' وہ جھومتے ہوئے بولا۔ اور اس وقت بالے نے اس کے منہ سے شراب کی بو اڑتی سونگھی۔ وہ کہتا گیا۔

''ارے وہ سالی دیکھنے میں ہی شاندار لڑکی معلوم ہوتی ہے، اور پولم پول ہے۔ وہ ملمع ہوتا ہے نا، قلعئی... قلعئی، بس یہ لڑکیاں وہی ہوتی ہیں۔ آج کل کی ساب فیشن ایبل لڑکیاں پولم پول۔'' وہ شوکت کے کان کے پاس منہ لگا کر کہتا رہا۔

''میں نہیں سمجھا کوچھ۔'' شوکت نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''ارے سالی پڑھی لکھی ٹیکسی۔ فیشن ایبل، پروگریسو۔ ماں باپ کی لاڈلی۔ گھر سے کسی سہیلی کے بہانے نکلی ہوگی۔'' یہ کہتے کہتے اس نے بالے کی طرف دیکھا۔ وہ نشے میں بھی ہوش کی باتیں کر رہا تھا۔ بالے مسکرا دیا۔

''بڑے بھائی، لڑکی پیدا کرنا تو بڑی حفاظت سے رکھنا۔ ہمارے ملک میں جو آزادی آئی ہے وہ ننگی ہے۔ اور ہماری لڑکیاں... وہ بھی ننگی ہوئی جا رہی ہیں، سمجھ گئے نا؟'' اس نے بالے سے پوچھا۔

''سمجھ گئے۔'' بالے نے اس کی تسکین کے لیے سر ہلا دیا۔

''مگر میں کوئی مہاتما نہیں ہوں، میرے بھائی۔ میں بڑا حرامزادہ ہوں۔ میں اول

نمبر کا کمینہ اور بد معاش ہوں۔ یہ لڑکی ہے نا، اس کا نام ملّی ہے، مگر کوئی نہیں جانتا کہ اس کا نام ریحانہ ہے اور یہ ایک عزت دار آدمی کی بیٹی ہے۔ باپ جس نے اپنی اولاد کو اتنا آزاد چھوڑ دیا ہے لعنت ہے اس پر۔'' یہ کہہ کر اس نے سرخ آنکھوں سے شوکت کی طرف دیکھا۔

''جاؤ بڑے بھائی، شوق سے جاؤ۔ تمہیں شوق ہے، اسے بھی شوق ہے۔ ہائے، یہ دنیا بڑی مکار ہے، بڑی کمینی ہے۔''

''اور... اور ہم بھی تو کمینے ہیں، بڑے بھائی۔ تمہاری بیٹی تو اتنی بڑی ہوگی؟'' اس نے شوکت سے سوال کیا اور بالے خموشی سے سنتا رہا۔

''میری کوئی بیٹی ویٹی نہیں ہے، میاں۔ اپنا کام کرو یا رجا کے۔'' شوکت نے پیچھا چھڑانا چاہا۔

''ارے نہیں، جاؤ، اچھی تفریح رہے گی۔ دوستی کرلو، فائدے میں ہی رہو گے۔'' اس نے شوکت کو اکسایا۔ پھر اس کے کان میں منہ لگا کر بولا۔ ''زندگی بھر یاد کرو گے۔''

''اچھا، آپ تشریف لے چلیے، یہ بعد میں آئیں گے۔'' بالے نے اسے ٹالنے کے لیے درمیان میں دخل دیا۔

''بڑے بھائی ایسی لڑکیاں جھینپو مردوں سے نفرت کرتی ہیں۔ آوارہ ٹھہریں نا۔ دیکھو میں بھی کتنا آوارہ ہوں، کتنا بے غیرت۔ کوئی لڑکی مجھے جوتے بھی مارے تو میں ہنستا رہتا ہوں۔ بڑے بھائی، اس دنیا میں مزے لوٹنا ہیں تو بے غیرت بنو، ہائے۔''

''ارے جاؤ بھی خاں، بھوت ارسطو مت بنو۔'' شوکت جھنجلا گیا۔ لیکن بالے اس دوران میں اس سانولی لڑکی کی طرف متوجہ رہا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ڈیوڈ کا موڈ خراب ہو چلا ہے۔ وہ کن انکھیوں سے اس لڑکی کو کئی بار دیکھ چکا ہے اور اس نے بالے سے اسے آنکھیں ملاتے بھی دیکھا ہے۔

''کیا خیال ہے، یار بالے بھائی؟'' شوکت بالے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مثلاً؟"

"اے لو، یانی کھائے جا رہے ہو سالی کو آنکھوں آنکھوں میں اور مثلاً میں بتاؤں۔"

"بھئی، مجھے تو یہ سانولا چوکھٹا بہت اچھا لگتا ہے۔"

"اور نہیں تو کیا لگے گا، یانی جیسی رو (روح)، ویسے فرشتے۔"

"تمہاری نظرِ انتخاب کس خوش نصیب پر پڑی ہے؟"

"ارے وہ دیکھو نا، وہ جو ابھی آئی ہے، ہائے، سالی۔"

"تمہاری پسند کا معیار میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"میں، اپنے کو تو نرم و گداز اچھی لگتی ہے۔ ایسی میو با کائے کی جو اونہوں اونہوں ہو۔۔" بیٹھے بیٹھے شوکت نے نزاکت سے مٹکتے کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ارے یانی وئی کنا جک اہر پا دو..."

"بس بس، یہاں بدبودار باتیں مت کرو۔" بالے نے بات کاٹ دی۔

"تم خد ہو گے میاں بدبودار۔ لاحول ولاقوۃ۔ میں تو یانی ایک ضرب مثال کے ریا تھا، بھائی تو زبان ہی پکڑنے لگے۔ ہشت سالا الو کا پٹھا اب جوبات کرے تم سے۔"

"اچھا بابا، چپ رہو، مجھے ذرا عشق کرنے دو۔"

"ارے، یانی ہو تو تم.. ارے باپ رے۔ یانی عشق ہو ریا ہے یہ؟"

"اور نہیں تو کیا جھک مار رہا ہوں ابے، میں چاروں ہاتھ پاؤں سے اس پر عاشق ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔" بالے نے کہا۔

"ابے تم خد میاں خاں، بلکہ تجے، تبے، ڈبے، پچھے..."

"بس بس، گردان نہ کرو۔"

"گردن مجیں، میں تو سر کروں گا، جاؤ میری جتی۔ وہ کوئی تمہاری وہ تھوڑی ہے، یانی

Akram Allahabadi

کہ وہ۔۔"

اچانک ڈیوڈ کا ایک بھرپور ہاتھ اس سانولی لڑکی کے رخسار پر چٹاخ سے بولا، اور دوسری میزوں کے لوگ بھی چونک پڑے۔ لڑکی گھبرا کر سکتے میں رہ گئی۔ اور ڈیوڈ بالے کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا تیزی سے ہال کے باہر نکل گیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ کوئی کچھ نہ سمجھ سکا، مگر بالے بھی اتنی ہی تیزی سے ڈیوڈ کے پیچھے گیا۔ شوکت ہونق کی طرح منہ کھولے دیکھتا رہ گیا۔ اسے کچھ دیر بعد یہ خیال آیا کہ اس لڑکی کی دلجوئی کرنی چاہیے، جس نے بچارے بالے بھائی کے لیے مار کھائی ہے۔ وہ لڑی سے دریافت حال کرنے والے لوگوں میں جا شامل ہوا۔

"اے لو، سالا کون حرامی کا نقطۂ نظر تھا۔" وہ اپنے تئیں گالی کو مہذب بناتے ہوئے بولا۔ "چچ چچ... بچاری صفت ناجُک پہ یہ ظلم وستم۔" وہ یہ کہتے ہوئے بالکل اس کے قریب ہوگیا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لے کر رو رہی تھی اور سسکیوں کے دومیان اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔

"کمینہ، سور، پاجی، بدذات جیسے میں اس کے باپ کی غلام ہوں۔"

"اور نئیں تو کیا۔" شوکت نے بات لپک لی۔ "سالا جمہوریت کا جمانا نئیں یانی کہ زمانہ ہے، کون کسی کا غلام ہوسکتا ہے جب انگریز سالے چلے گئے تو کون رہتا ہے اس دنیا میں، ہشت۔"

"میں پولیس میں اس کی رپورٹ لکھواؤں گی، میں اسے ذلیل کرواؤں گی۔" وہ تقریباً چیخنے لگی۔

"بے شک بے شک..."

شوکت کے منہ سے نکلا۔ ایک آدمی نے باہر سے آکر خبر دی کہ باہر جھگڑا ہو رہا ہے۔ شوکت کو بالے کا خیال آگیا۔ وہ فوراً ہی باہر کی طرف دوڑا۔

Akram Allahabadi

ٹیرس پر ہی بالے اور ڈیوڈ الجھ پڑے تھے۔ بالے نے ہی اسے پیچھے سے پکڑا تھا، مگر اس وقت دو آدمی اور بالے پر ٹوٹ پڑے اور اس طرح ڈیوڈ کو ملا کر، بالے کے مقابل تین ہو گئے۔ سارے ہوٹل میں بھگدڑ مچ گئی۔ مہذب لوگ تو جھگڑے کا نام سے ہی دور بھاگتے تھے، لیکن ہوٹل کے عملے نے بھی دور سے ہی دیکھنے پر اکتفا کی۔ اچانک ان میں سے ایک لڑکھڑا کر شوکت کی طرف آیا، شوکت نے جو اپنے نوکروں سے پہلوانی کے دو چار داؤ سیکھے ہی تھے، اس کو کمر پر لے کر دے پٹکا۔

''لے بیٹا، دھوبی پاٹ۔'' اس نے نعرہ مارا۔ یہ دیکھ کر دوسرا بالے کو چھوڑ کر اسی کی طرف جھپٹا۔

''تم بھی آؤ، سالے رستم زماں کی اولاد۔'' شوکت نے اسے بلایا، لیکن اس سے پہلے ہی بالے کی ایک لات نے اسے اوندھے منہ گرا دیا۔ اسی وقت اندر سے وہ لڑکی باہر نکل آئی۔ ڈیوڈ اپنا جبڑا سہلاتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے گندی گندی گالیاں نکل رہی تھیں۔ لوگ بالے کی تعریفیں کر رہے تھے۔ لڑکی نے دوڑ کر ڈیوڈ کا گریبان تھام لیا۔

''بدذات، کمینے۔'' یہ کہہ کر اس نے ڈیوڈ کی کلائی پر اس زور سے دانت گاڑ دیے کہ وہ تلملا گیا۔

دو چار آدمی درمیان میں آ گئے اور انھوں نے بڑی مشکل سے ڈیوڈ کو چھڑایا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ مگر پہلی ہی سیڑھی پر رک کر اس نے بالے کو خوں آشام نظروں سے گھورا اور بھاری آواز میں کہنے لگا۔

''تم سے سمجھ لوں گا میں، بیٹے۔''

''ارے ہاں، بھوت ارسطو فرسطو ہو نا تم سالے۔'' شوکت نے گھونسا دکھا کر اسے جواب دیا۔

''تم جب چاہو مجھے چیلنج کر سکتے ہو۔ یہ لو یہ رہا میرا کارڈ۔'' بالے نے جیب سے

ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف پھینک دیا۔

ڈیوڈ نے ایک نظر اسکی طرف دیکھا اور غصے میں وہ کارڈ اٹھا کر مٹھی میں بھینچ لیا۔ پھر وہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا اور اس کے پیچھے اس کے دونوں آدمی بھی جو پہلے کہیں اور بیٹھے تھے۔

''آپ نے اچھا نہیں کیا، مسٹر۔ مسٹر ڈیوڈ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔'' ہوٹل کا ایک اسٹیوارڈ بالے سے آکر بولا۔ اس کا تخاطب شوکت سے بھی تھا۔

''تو یاں کون کھیت کی مولی ہے۔ ابے، تمہارے جیسے دس ہوٹل خرید کر نیلام کر سکتا ہوں میں۔'' شوکت اکڑ گیا۔

''بدتمیزی تمہارے ڈیوڈ نے ہی شروع کی تھی۔'' بالے نے بھی اسے جھاڑا۔

اسی وقت منیجر بھی آ پہنچا۔ بالے نے اسکے چہرے سے ہی سمجھ لیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہے۔ وہ خود ہی بول اٹھا۔

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ہم لوگ خود یہاں سے جا رہے ہیں۔ یہ ہوٹل اس قابل نہیں کہ شریف لوگ یہاں آئیں۔'' بالے نے کہا۔

''میں آپ سے ضرور معذرت کرتا، اگر آپ نے بھی وہی نہ کیا ہوتا جو مسٹر ڈیوڈ نے کیا ہے۔ بہر حال میں اپنے مستقل گاہکوں کا موڈ دیکھ رہا ہوں، اس لیے بھی درخواست کرنے والا تھا آپ سے۔'' منیجر نے مہذب لہجے میں کہا۔

بالے نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ شوکت کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ مگر ان کے پیچھے ہی وہ لڑکی بھی اترتی چلی۔

ہوٹل سے باہر آکر شوکت کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسکی نظر اس لڑکی پر پڑ گئی۔ وہ پیچھے آ رہی تھی۔ ''لو میاں، یہ ہمدردی تو گلے ہی پڑ گئی سالی۔'' شوکت نے بالے کو کہنی مار کر کہا۔

''ٹھیک ہے، میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' بالے آہستہ سے بولا۔

''یانی کیا؟'' شوکت چونکا۔

"باقی آئندہ۔" بالے نے اس کا بیرو بادیا۔

اس لڑکی نے بے تکلفی سے پیچھے سے آکر بالے کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس وقت مسکرا رہی تھی۔ بالے بھی مسکرا دیا۔

"میرا نام اینی سلوانیا۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔

"میرا نام بغلول ہے۔ میں بہت شریف آدمی ہوں۔" بالے نے بھی اپنا تعارف کرایا اور شوکت سمجھ گیا کہ وہ مصلحتاً نام چھپا رہا ہے۔ چنانچہ شوکت کو بھی عقل آگئی۔ اس نے بھی درمیان میں اپنا تعارف گھسیڑ دیا۔

"اور یانی کہ مجھے چھی منشی معقہ کہتے ہیں۔"

"ارے تو آپ وہ فلم ایکٹر ہیں منشی معقہ۔"

"جی نہیں، وہ نقلی ہے، میں اصلی ہوں۔" شوکت نے عقلمندی کی بات کی۔ "بالکل جس طرح ڈالڈا گھی اور اصلی گھی۔" بالے نے شوکت کی تائید کی۔

"جیاں، بالکل بالکل۔" شوکت جلدی سے بولا۔

"آپ لوگوں نے میری خاطر ڈیوڈ سے جھگڑا مول لے کر اچھا نہیں کیا، وہ خطرناک آدمی ہے۔" اس نے اظہارِ ممنونیت کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا۔

"ہونہہ، ہوگا، ہم بھی کم خطرناک نہیں ہیں۔" بالے نے سر کو جھٹکا دیا۔

"اور نہیں تو کیا۔ اپن کسی سالے رستم خاں سہراب خاں سے کم ہیں۔" شوکت نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "میں نے تو دھوبی پاٹ مارا تھا سالے کو کہ بیٹا کی چولیں ہل گئی ہوں گی۔"

"یہ یہاں کے بڑے معزز رئیس ہیں، مگر پہلوانی کرتے ہیں، اس لیے غصہ آگیا تھا۔" بالے نے بات سنبھالی ورنہ شوکت تو لڑکی کی موجودگی میں بھانڈ بنا جا رہا تھا۔

"غصہ نہیں آئیگا تو کیا۔ یانی کہ ایک عصمت شریف اورت کو کوئی طمانچہ مار دے اور

Akram Allahabadi

اپن کھڑے دیکھا کریں، لانت ہے، ہوشت۔اپن تو سالوں کا بھرتا بنا دیتے مگر جب۔۔"

"بس بس، ورنہ تمہیں پھر غصہ آجائے گا۔" بالے نے اسکی بات کاٹ دی۔

"آیئے آپ کو ہم اپنی کار میں آپ کی منزل تک پہنچا دیں۔" بالے نے شوکت کی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، جیسے ان کے باپ کی کار ہے۔" شوکت زیرِلب بڑبڑایا۔

"تم نے کچھ فرمایا، بڑے بھائی؟" بالے نے اسے بانس پر چڑھانے کی کوشش کی۔

"کون...؟ میں تو یہ کے رہا تھا کہ کائے کو نئیں۔یانی کہ حاضر میں حجت نئیں

"منزل اور میری؟" لڑکی نے سرد آہ بھری۔"اس کمبخت ڈیوڈ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔" لڑکی ان کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یانی پہلے آپ کاں رکھی تھیں؟"

"یار، تم بات نہ سمجھا کرو تو ٹانگ نہ گھسیڑا کرو۔" بالے نے اسے ٹوکا۔

"اچھا اپن ہی بُرے سہی۔لو بس ہم ہی کرلو باتیں۔" شوکت نے منہ پھلا لیا۔

سلوانیا بالے سے بہت جلد بے تکلف ہوگئی۔وہ گفتگو کرتے کرتے اس کے چہرے کو بڑی محبت سے تکنے لگتی اور شوکت کے کلیجے پر اژدھے لوٹنے لگتے۔ویسے اس لڑکی میں سیکس اپیل اس بلا کی تھی کہ خود بالے بھی اس کے قرب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا، لیکن وہ اس سے گفتگو میں بھی محتاط ہی رہا۔

"آپ کا نام بغلول کچھ عجیب سا لگتا ہے۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں ترکی النسل ہوں دراصل۔ ہمارے یہاں اس قسم کے نام زیادہ ہوتے ہیں۔مثلاً بغلول پاشا، نما غلول پاشا، غلیل پاشا وغیرہ۔" بالے نے بڑی سنجیدگی سے بتایا۔

Akram Allahabadi

''آپ کو سنبھل کر رہنا چاہیے۔اس نے آپ کو چیلنج کیا ہے۔''

''تو کیا کر لے گا وہ؟''

''میں نے کہا نا کہ وہ آدمی اچھی لائن کا نہیں ہے۔''اس کا ساتھ بد معاشوں سے بھی رہتا ہے۔''لڑکی نے بتایا۔

''اوہ،تب ہی سنا ہے وہ اپنی چچی کر مروا ڈالنے کی فکر میں ہے۔''بالے کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔

''شاید۔مگر وہ اپنی چچی سے بہت محبت کرتا ہے۔اس سے لڑ کر بھی آتا ہے تو اس کی تعریف کرتا ہے کہ زبان کی بُری ہے مگر دل کی بری نہیں۔''لڑکی نے کہا۔اس جواب پر بالے اس کے چہرے کو گہری نظر سے دیکھنے لگا،مگر اس پر کسی فریب کے آثار نظر نہیں آئے۔

''تو ہو سکتا ہے کہ وہ صرف زبان کی حد تک ہی برا آدمی ہو۔''

''اوہ،خود تو وہ کچھ بھی نہیں ہے،میں نے اسکے ساتھ کئی راتیں گزاری ہیں،میں تو اسے پورا مرد بھی نہیں کہہ سکتی۔''وہ بڑی ڈھٹائی سے تشریح کرنے لگی۔

''لاحول ولاقوۃ۔''پچھلی نشست سے شوکت کی آواز آئی۔وہ دونوں چونک کر پیچھے دیکھنے لگے۔انھوں نے دیکھا کہ شوکت دو انگلیوں سے کان بند کیے بیٹھا ہے اور آنکھیں کبھی بند ہوتی ہیں اور کبھی کھلتی ہیں۔بالے ہنس پڑا۔

''تمھیں کیا ہوا،ڈیئر؟''اس نے پلٹ کر پوچھا۔

''تمھیں کو مبارک ہو۔''شوکت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔''اپن تو سو بار لانت بھیجتے ہیں۔''شوکت نے بڑے عالمانہ انداز میں کہا،لیکن سلوانیا سمجھ گئی۔

''سچ ہمیشہ اتنا ہی کڑوا لگا کرتا ہے،منشی جی۔''سلوانیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کون منشی جی؟آپ خد ہونگی منشی پھنسی۔''

''ارے،مگر آپ نے ہی تو اپنا نام منشی منقہ بتایا تھا؟''

''ایں...؟ ہاں تو مگر منشی جی کب بولا تھا۔یانی کہ معقہ ونقتو اچھی چیزیں ہیں اور منشی جی تو کانجی ہاؤس میں باندھے جاتے ہیں سالے۔''شوکت نے اپنی حماقت کی تشریح بھی فوراً کردی۔

سلوانیا نے اسکے بعد خموشی اختیار کرلی۔اس نے دانستہ اپنا سر بالے کے کندھے پر ٹیک دیا۔بالے نے شوکت کی طرف دیکھا،شوکت اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے اسے کونین کی گولی نگلنی پڑ رہی ہو۔

''ڈیوڈ کے خطرناک آدمی کون کون ہیں؟''بالے نے اس سے پوچھا۔

''اوہ،وہ سب تھرڈ کلاس بدمعاش ہیں۔دوتو وہی تھے جنھوں نے آپ لوگوں پر حملہ کیا تھا اور دوسرے کھٹکا بازار میں رہتے ہیں۔''سلوانیا نے بتایا۔

''تم ڈیوڈ کے ہاتھ کیسے پڑ گئیں؟''

''اس نے پہلے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور پھر اپنی ہوس پوری کرنے کے بعد داشتہ کی طرح رکھ چھوڑا ہے۔''وہ اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

''کچھ تم بھی تو زیادہ وفادار نہیں معلوم ہو رہی تھیں اس کی۔''بالے مسکرایا۔

''تنگ آ کر آدمی سب کچھ کر گزرتا ہے۔وہ مجھ پر کڑی پابندیاں رکھتا تھا اور میں سمجھتی ہوں کہ اب بھی مجھے چھوڑنے کا نہیں۔ممکن ہے آج کے جھگڑے کا انتقام بھی مجھ سے ہی لیا جائے۔''

''گھبراؤ نہیں،ہم انھیں بھاری ہی پڑیں گے۔وہ تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔''بالے نے اسے دلاسا دیا۔

''مم،مگر..''وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیوں...؟ رک کیوں گئیں کہتے کہتے؟''

''اس نے ایک بار کہا تھا کہ اس کے پاس ایک ایسا ذریعہ ہے کہ وہ جسے چاہے اسے

ختم کرا سکتا ہے۔" وہ فکرمند لہجے میں بولی۔

"اوہ، وہ کوئی ملک الموت تھوڑی ہے۔" نے سر کو جھٹک کر کہا۔ "اور کہاں بھی ہوگا تو ان ہی غنڈوں کے بہتے پر۔"

"نہیں، میں نے اسے قانون سے باہر کوئی حرکت کرتے نہیں دیکھا ہے اور وہ کہتا بھی تھا کہ قانون میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" سلوانیا نے بتایا۔

"ارے گولی مارو قانون کو۔ اور اگر وہ اتنا ہی خطرناک ہوتا تو تم اتنی آسانی سے اپنی زبان نہ کھولتیں۔"

"میں اب سور کے بچے سے ذرہ بھر نہیں ڈرتی۔ میرا انجام اگر موت بھی ہوا تو مجھے پروا نہیں۔ میں اسی لیے تو تمہاری نظروں کی دعوت پڑھ کر تمہارا سہارا لے رہی تھی کہ شاید تم اس سیر کیلیے سوا سیر بن سکو، اور نہ بھی بنو تب بھی تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ میں تمہارے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈال سکتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بڑی پیار بھری نظروں سے بالے کی صورت دیکھنے لگی، مگر آپ کی بجائے تم کا یہ بے تکلفانہ تخاطب شوکت کو بھلا نہ معلوم ہوا۔

"لو گئی بھینس پھر پانی میں۔" شوکت سے نہ رہا گیا۔

"اس کا خاص آدمی کون ہے؟"

"وہ افلاطون پر سب سے زیادہ بھروسا کرتا ہے۔" سلوانیا نے جواب دیا۔

"وہ کون گدھا ہے؟"

"ڈیوڈ اکثر اسے اسی نام سے یاد کرتا ہے۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی، صرف سنا ہے۔"

"افلاطون۔" بالے زیرِ لب بڑبڑایا۔

"گاڑی اس گلی میں گھما لو، میں یہاں ایک چھوٹے سے مکان میں رہتی ہوں۔" اس نے ایک گلی کی طرف اشارہ کیا۔ گلی میں سناٹا تھا۔ یہ اوسط درجے کی عیسائی بستی معلوم ہوتی

Akram Allahabadi

تھی۔گلی میں ایک کھمبے کے پاس دوشرابی کسی بات پر آپس میں تکرار کر رہے تھے۔ایک لیمپ پوسٹ کی جڑ میں کوئی سڑک چھاپ کتا ٹانگ اٹھا کر پیشاب کر رہا تھا اور ایک کوٹھے سے بازاری قسم کے قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ایک چھوٹے سے معمولی چائے خانے کے سامنے بنچوں پر چند افراد بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

اس سے آگے گزر کر ایک مکان کے سامنے اس نے کار رکوادی۔اس مکان کے دروازے پر تالا لٹکا ہوا تھا۔

''کیا تم اکیلی ہی رہتی ہو؟''

''ہاں، میں اکیلی ہی رہتی ہوں۔ویسے میری ایک ماں اور بہن بھی ہے۔''

''وہ تمہارے ساتھ نہیں رہتیں؟''

''نہیں، میں ان پر اپنی گھناؤنی زندگی کا سایہ بھی پڑنے دینا نہیں چاہتی۔میری بہن کالج میں پڑھتی ہے اور ماں ضعیف ہے۔ان کا اس دنیا میں میرے سوا کوئی سہارا نہیں۔'' یہ کہتے کہتے سلوانیا کی پلکیں بھیگ اٹھیں اور اس وقت بالے واقعی اس کے اذیت نصیب احساسات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

''تب تو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''تو پھر کیا کرتی؟ تم لوگ معلمِ اخلاق تو بنتے ہو، لیکن بتاؤ کہ تمہارے اس سماج میں، جہاں غریبوں کی آبرو کے دشمن آوارہ کتوں کی طرح سڑکوں پر گھومتے پھرتے ہیں، میں اپنی بہن کا مستقبل محفوظ رکھ سکتی، میں اپنی بوڑھی ماں کو اس طرح بھوک اور بیماری سے دم توڑتی دیکھ سکتی، اگر میں ایسا نہ کرتی تو پیسہ کہاں سے آتا؟ کیا تمہاری حکومت نے غریبوں کے زندہ رہنے کا کوئی سبب پیدا کردیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں؟ بتاؤ کہ ایک غریب آدمی اگر ایک بوڑھی بیمار بیوہ اور دو جوان لڑکیوں کو چھوڑ کر مرجائے تو کون ان کے پیٹ میں روٹی ڈالے گا اور اگر وہ بھٹکتی پھریں تو تمہارے سماج کا کون شریف بدمعاش ان کی جوانی سے اپنا بستر سجانے کی کوشش

نہ کریگا۔ چاہے اس کی ایک رات کی وہ کتنی ہی قیمت کیوں نہ دیدے۔ کیا تم کسی غریب، خوبصورت اور جوان لڑکی کو دیکھ کر یہ نہیں سوچتے کہ وہ کسی طرح تمہاری ہوس کی تسکین بن جائے؟ کیا کبھی تمہارے دل میں یہ جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ تم اسے اپنی بیوی بنالو؟ بیویوں کیلیے تو شاندار گھرانے اور اونچے خاندان ڈھونڈے جاتے ہیں اور آوارگی کیلیے غریب جوانیاں۔'' وہ پرجوش اور جذباتی لہجے میں بڑبڑاتی گئی اور اس کے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے۔ بالے نے اظہارِ ہمدردی کے طور پر اس کا ہاتھ دبا دیا اور وہ چپ ہوگئی، مگر اس سے زیادہ چپ تو شوکت کو لگ گئی تھی۔ وہ زبان کا ٹیڑھا، مگر دل کا موم واقع ہوا تھا اور خاص طور سے صنفِ نازک کی ایسی رقت انگیزی تو اسے خود بھی رو پڑنے پر آمادہ کر دیتی ہے، لیکن اس وقت اسے جوش سا آگیا۔

''سالے اس سماج کی ایسی تیسی، سالا چڑی کا غلام۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''یار بالے بھائی، اس سماج کا بھی تختہ کیوں نہیں الٹ دیتے۔'' وہ جوش میں کہہ گیا، مگر بعد میں اسے زبان تھام لینی پڑی۔ اب نام تو منہ سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ بالے کی طرف دیکھنے لگا، مگر بالے نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی سلوانیا نے اس پر غور کیا۔

''میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کرونگا، مگر ذرا پہلے اس کے چیلنج سے نپٹ لوں۔'' بالے نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''خدا تمہیں کامیاب کرے۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''مگر تمہیں یہاں خطرہ تو ہوگا ہی، اکیلی جو ہو۔'' بالے نے ٹوکا۔

''نہیں، اس محلے میں اس کی یا اس کے آدمیوں کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ یہاں زیادہ تر خطرناک لوگ ہی رہتے ہیں۔'' سلوانیا نے کہا۔ ''یہاں مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' وہ اپنی غمزدہ کیفیت پر قابو پا کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہم لوگ جائیں؟''

''ہُم... اور اگر کبھی مجھ غریب کی یاد آجائے تو آ بھی سکتے ہو۔'' اس نے بالے کے

چہرے کو ایک بار محبت سے دیکھ کر کسی قدر یاسیت زدہ لہجے میں کہا۔شوکت نے بھی اسکے لہجے کی اس چبھن کو محسوس کیا اور کچھ دیر پہلے اس لڑکی کے بارے میں اس نے جو رائے قائم کی تھی، وہ بدل گئی۔وہ اسے اب ایک مظلوم لڑکی سمجھ رہا تھا۔

''میں تمہاری خبر لیتا رہوں گا۔''بالے نے اسے یقین دلایا۔ وہ دروازے کے قریب ہی رک گئی۔

''اب تم جاؤ۔''اس نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا۔''بالے نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور گھما کر کار لے چلا۔

سلوانیا نے اپنے پرس سے چابی نکالی اور تالا کھول کر دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اندھیرے میں لاش

بالے نے کار کو اچانک بریک مار کر روک دیا اور شوکت کا سر جھونک میں ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا۔ وہ اب اگلی نشست پر ہی آ بیٹھا تھا۔ چیخ کی آواز پیچھے سے ہی آئی تھی۔

''ضرور اسی کی چیخ ہوگی۔'' اس کے منہ سے نکلا اور وہ تیزی سے کار گھمانے لگا۔

''ارے ارے... اے لو، مجھے ہی الٹے دیے رئے ہو یار... ہوپ۔'' شوکت کا سر کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا گیا۔

اس ہوٹل کے دو آدمی بھی شاید چیخ ہی سن کر اس طرف دوڑے تھے۔ وہ ان کو کار کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ ایک دوسرے مکان سے ایک آدمی باہر نکل پڑا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس مکان کے پاس والے مکان سے تین میلے کپڑوں والے تنومند آدمی نکل کر سلوانیا کے گھر کی طرف دوڑتے نظر آئے۔ بالے نے کار کو جھٹکے سے اس کے دروازے کے سامنے روکا اور شوکت سے کچھ کہے بغیر تیزی سے کار سے اتر کر دروازے کی طرف لپکا، لیکن دروازہ کھولتے ہی اسے اندر تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے جیب سے فوراً چھوٹی ٹارچ نکال لی اور سب سے پہلے دیوار پر بجلی کا سوئچ تلاش کیا۔ بجلی کی روشنی کرتے ہی وہ اچھل پڑا۔ سلوانیا کی لاش خون میں لتھڑی سامنے پڑی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ اس کے سینے پر کسی تیز دھار والے خنجر سے وار کیے گئے تھے۔ بالے نے ادھر ادھر نظر دوڑائی، مگر اسے کوئی خنجر یا چاقو یا چھری پڑی نظر نہیں آئی۔ اس نے سلوانیا کی نبض ٹٹولی اور اس کے چہرے پر امید کی جھلک پیدا ہوگئی۔ اس میں ابھی جان باقی تھی۔

''سلوانیا... سلوانیا...'' وہ اسے پکارنے لگا۔

''آں ہاں۔'' سلوانیا نے کراہتے ہوئے کروٹ بدلنے کی کوشش کی، لیکن آنکھیں

Akram Allahabadi

نہیں کھولیں۔

''اندھیرے۔''اس کے تھرتھراتے ہونٹوں سے نکلا۔''اندھیرے میں...''

''کون تھا وہ؟''بالے نے پوچھا۔

اتنے میں دوسرے لوگ بھی اندر گھس آئے۔ان میں شوکت بھی تھا، جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''پتا...پت...نہیں...''یہ کہتے ہوئے اس کا سر ڈھلک گیا۔

''اس کا قاتل زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔آپ لوگ چاروں طرف پھیل جایے۔میں بھی دیکھتا ہوں۔''بالے نے آنے والوں سے کہا اور وہ بغیر کچھ پوچھے دوڑ کر باہر نکل آئے۔

''شوکت بھائی،تم کار لے جاؤ اور راستے میں جہاں بھی فون ملے،خان صاحب کو گھر پر فون کر دو۔پتا اچھی طرح بتا دینا،میں یہیں ہوں۔''بالے نے شوکت سے کہا۔

''اچھا اچھا۔''شوکت نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔''بیچاری غریب لڑکی۔''وہ بڑے افسوس زدہ انداز میں سر ہلاتا ہوا پلٹا۔

بالے لاش کو اسی عالم میں چھوڑ کر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔داہنی سمت اس میں ایک دروازہ تھا،اس نے اسے دھکیل کر دیکھا۔کوئی اسے باہر سے بند کر گیا تھا۔اسے پیچھے کے حصے میں کچھ دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔وہ کمرے کا دروازہ باہر سے بند کرتا ہوا سڑک پر آپہنچا۔مگر آواز اس سمت سے نہیں آتی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر دیکھا،دو مکانوں کے درمیان ایک تنگ گلی تھی۔وہ جب ٹارچ لے کر اس میں داخل ہوا تو مکان کے عقبی سمت نکل گیا۔یہ بھی ایک تنگ و تاریک گی تھی۔قدموں کی آواز یقیناً اسی طرف سے آئی ہوگی۔وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔یہاں تک کہ اسے دور پر روشنی دکھائی دینے لگی جو اسی کی طرف حرکت کر رہی تھی۔اس کے قریب آنے پر اس نے دیکھا وہ اسی جگہ کے دو آدمی تھے جو ہاتھ میں لالٹین لیے گلی میں گھوم رہے تھے۔انھوں نے بالے کو پہچان لیا۔

''یہاں تو کوئی نظر نہیں آیا، ہم گلی کا کونہ کونہ دیکھ چکے ہیں۔''ان میں سے ایک نے بالے کو بتایا۔

''بڑی گلی میں دیکھا؟''بالے نے پوچھا۔

''لاحاصل ہے، یا تو وہ نکل گیا ہوگا یا کہیں چھپ رہا ہوگا۔''

بہر حال تھوڑی دیر میں پورا علاقہ لوگوں نے دیکھ ڈالا۔انھیں وہاں کوئی مشتبہ آدمی نہ ملا۔ان میں سے کچھ نے بنّے خاں نامی ایک آدمی پر شبہ ظاہر کیا جو اکثر سلوانیا کو دیکھ دیکھ کر سرد آہیں بھرا کرتا تھا اور کبھی کبھی راستے میں اسے چھیڑ بھی دیتا تھا، لیکن وہ خود جب بالے کے سامنے آیا، تو بالے نے قیافے سے ہی اندازہ لگالیا کہ اس آدمی کا تعلق اس حلقے سے نہیں ہوسکتا۔وہ خود بھی اس خبر سے متاثر معلوم ہو رہا تھا اور پھر صریحاً یہ ڈیوڈ کی انتقامانہ کاروائی معلوم ہوتی تھی۔

اسی وقت گلی میں خان کی کار داخل ہوئی اور اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دیکھتے ہی لوگ چونک کر ادھر ادھر منتشر ہونے لگے۔اس کار کے پیچھے پولیس کی اسٹاف کار تھی جو سائرن بجاتی آرہی تھی۔اسکی آواز سے مکان میں سوئے ہوئے لوگ بھی چونک کر جاگ اٹھے اور اپنی کھڑکیوں اور دروازوں میں سے جھانکنے لگے۔کار اسی مکان کے سامنے آکر رک گئی۔تمام لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔پچھلی اسٹاف کار سے انسپکٹر ڈیسوزا اور پولیس فوٹو گرافر اور دو کانسٹیبل اترے۔

''کمرہ مقفل کردیا ہے؟''خان نے اترتے ہی بالے سے پوچھا۔

''جی ہاں۔''بالے نے جواب دیا۔

''کھلواسے۔''خان سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا بولا۔

کمرہ کھول دیا گیا اور دروازے پر ایک کانسٹیبل متعین کردیا گیا تا کہ کسی کو اندر نہ آنے دے۔اندر آکر خان نے پہلے سلوانیا کی لاش کا اچھی طرح معائنہ کیا پھر وہ اس کمرے کو

غور سے دیکھنے لگا۔فرش پختہ ہی تھا اور اس پر جب پاؤڈر اسپرے کیا گیا تو پچھلے بند دروازے کی طرف سے آتے اور جاتے ہوئے قدموں کے نشانات ابھر آئے۔نشانات کسی قد آور آدمی کے جوتوں کے تھے۔ جوتوں کے سول سپاٹ رہے ہوں گے اور سول بھی کریپ کے معلوم ہوتے تھے۔ڈیسوزا نے فوراً ان کے پرنٹ اٹھوا لیے۔فوٹوگرافر لاش کی تصویریں لیتا رہا۔خان نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ سلوانیا کے چہرے کے پروفائل بھی لے لیے جائیں۔

اس کے بعد خان بالے سے تمام تفصیلات سنتا رہا۔اسے بنے خاں کے بارے میں بھی بتایا۔

"سرِ دست اسے بھی حراست میں لے لو۔" خان نے کہا۔"اور مسٹر ڈیسوزا، آپ بالے کے ساتھ جا کر رڈیوڈ کو گرفتار کر لیجیے۔" خان نے ڈیسوزا کی طرف گھوم کر کہا۔

"او کے سر۔" ڈیسوزا اٹینشن ہو گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد جب خان واپس لوٹ رہا تھا اور لاش کو بعد میں آتی ہوئی سرکاری ایمبولینس میں سٹی کرونز کو بھیجا جا چکا تھا اور بالے اور ڈیسوزا اس کی ہدایت کے مطابق ڈیوڈ کو گرفتار کرنے چلے گئے تھے۔خان کے ذہن میں ایک نیا خیال رینگ رہا تھا، سلوانیا کا چہرہ، جسے وہ کہیں نہ کہیں ضرور دیکھ چکا ہے۔کب؟ کہاں؟ اور کیسے؟ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

جس وقت وہ گھر واپس پہنچا تو ٹیلیفون پر اطلاع آ چکی تھی کہ ڈیوڈ کو اس کی قیامگاہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے اور وہ ہیڈ کوارٹرز کی حوالات میں بند ہے۔کچھ دیر بعد ہی بالے بھی آ پہنچا، لیکن خان اس وقت تک اپنی خوابگاہ میں جا چکا تھا اور بالے کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، اس لیے وہ غلام رسول کو رات کا کھانا خود کھا جانے کی ہدایت کر کے جوتوں سمیت اپنے بستر میں جا گھسا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

''نہ جانے کیوں مجھے یہ چہرہ کچھ پہچانا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔''خان سلوانیا کے چہرے کا پرو فائل دیکھ کر ڈیسوزا سے کہہ رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہیں یہ لڑکی آپ کی نظروں سے گزری ہو۔''ڈیسوزا نے کہا۔

''کوئی خاص موقع یا خاص بات ہوگی جب ہی تو مجھے اس کا چہرہ یاد رہ گیا ہے۔''وہ ذہن پر زور دینے لگا، مگر اسے یاد نہ آسکا۔

وہ اس وقت اپنے آفس ہی میں تھا۔صبح وہ ناشتے کے بعد ہی آفس چلا آیا تھا اور بالے کو اس نے خود کسی کام سے بھیج دیا تھا۔وہ بات کر ہی رہا تھا کہ ابراہیم قدموں کے نشان کے فوٹو اور پلاسٹر لیے آن پہنچا۔اس نے سلام کر کے وہ میز پر رکھ دیا۔خان اسے اٹھا کر غور دیکھنے لگا۔

''یہ ۱۱۔انچ کا پیر کسی قد آور آدمی کا ہی ہوسکتا ہے۔''خان نے اسے فٹ اسکیل سے ناپتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، لیکن جو آدمی گرفتار ہوئے ہیں، ان میں سے کسی کا پیر اتنا بڑا نہیں ہے۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''مجھے ان میں سے کسی پر شبہ نہیں ہے۔''خان نے کسی فکر میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''ڈیوڈ پر بھی نہیں؟''ڈیسوزا نے حیرت سے کہا۔

''معاملہ غور طلب ہے۔اس قدر جلد وہ کوئی کاروائی نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ جو کچھ ہوا ہے، وہ کسی پہلے سے سوچی ہوئی سازش کا نتیجہ ہے۔''خان نے اپنی رائے دی۔

''مجھے بھی ڈیوڈ اتنا خطرناک تو نہیں معلوم ہوتا۔''ڈیسوزا نے تائید کی۔

''لیکن ابھی اسے حوالات میں بھی رکھنا ہوگا، جب تک میں نہ کہوں اس کی ضمانت بھی نہ ہونے دینا۔''خان نے اسے ہدایت کی۔

Akram Allahabadi

''آپ کو کسی پر شبہ ہے؟'' ڈیسوزا نے خان سے سوال کیا۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، ویسے اندازاً ۶ فٹ کے قد والا کوئی آدمی جو ذرا بھی ڈیوڈیا اس کے آدمیوں سے یا پھر سلوانیا کے واقف کار حلقوں میں ہو، تلاش کیا جانا چاہیے۔'' خان نے اشارۃً بتایا۔

''صاحب، بالے صاحب آ گئے ہیں۔'' چپراسی نے اندر آ کر خبر دی۔

''بلا کر لاؤ۔'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''بندہ حاضر ہے، پیر و مرشد۔'' بالے نے خود ہی اندر داخل ہو کر کہا۔ پھر میز کے قریب آ کر جیب سے کاغذ کی ایک پڑیا نکال کر سامنے میز پر رکھ دی۔ خان نے کھول کر دیکھا، اس میں حلوے کا ایک ٹکڑا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''افلاطون۔'' بالے معصومیت سے بولا۔

''یہ لانے کو کہا تھا میں نے؟''

''میں نے سارا شہر چھان مارا، صرف یہی ملا ہے۔''

''سنجیدہ ہو جاؤ، بالے۔''

''میں قطعی سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں۔ آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے، مجھے افلاطون چاہیے۔ اب افلاطون آدمی نہ مل سکا تو افلاطون حلوا حاضر ہے، شوق فرمایئے۔''

''تم نے ڈیوڈ کے واف کار یا حلقوں میں تفتیش کی؟''

''اس کمبخت کا حلقہ بہت تنگ ہے، میں تحقیق کر چکا ہوں۔ اس نے اپنے کسی دوست سے اس نام کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔''

''تو پھر یہ افلاطون کون ہو سکتا ہے؟'' خان سوچ میں پڑ گیا۔ ''تم سے سلوانیا نے اور

Akram Allahabadi

کچھ بھی بتایا تھا؟''

''بس یہی کہ وہ ڈیوڈ کا خاص آدمی ہے۔''

''ڈیوڈ جیسے لوگ بھی گھٹیا قسم کے شراب خانوں میں بھی جاتے ہیں، ذرا ادھر کی بھی سیر کرو۔'' خان نے کہا۔ ''اور ڈیوڈ کی چچی کا فون آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''ڈیوڈ کی گرفتاری سے مسز پارکر کو مطمئن ہو جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں۔ وہ شکریہ ادا کر رہی تھی تمہارا۔ اس بیوقوف عورت کا خیال ہے کہ تم نے اسی کی خاطر ڈیوڈ کو پھنسا دیا ہے۔''

''کمال ہے، کلاسیکل نکلی۔''

''کیا؟''

''احمق۔''

''لیکن میں نہیں سمجھتا اسے مطمئن ہو جانا چاہیے۔''

''اب میں نہیں سمجھا آپ کا مطلب؟''

''اس کو موصول ہونے والے اس ملک الموت کے خط کی مدت کب ختم ہو رہی ہے؟''

''میں تو بھول ہی گیا تھا، شاید پرسوں۔''

''پرسوں تمہیں اس پر نگرانی رکھنی ہوگی۔''

''کیا آپ اب بھی اسے اہمیت دے رہے ہیں؟''

''میں جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ شہر میں دو موتیں اور ایسی ہو چکی ہیں، جن کے بارے میں مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ انھیں بھی اسی قسم کے خطوط موصول ہوئے تھے اور انھوں نے انھیں کسی کا مذاق سمجھ کر کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔''

''یعنی قدرتی موتیں؟''

Akram Allahabadi

''ایک کی موت کار کے ایکسیڈنٹ سے ہوئی ہے۔ڈیلاواڑی کی گھاٹی پر گاڑی کے بریک فیل ہو گئے اور سمجھ لو کہ پھر کیا حشر ہوا ہوگا۔''

''وہ ڈھلوان بہت خطرناک ہے۔''

''ہاں، لیکن کوئی سبب نہ معلوم ہوسکا۔دو دن پہلے ہی مرنے والے نے اپنی گاڑی نیشنل گیرج سے اوورہال کرائی تھی اور اس میں کوئی نقص نہ تھا۔''خان نے بتایا۔

''تو ملک الموت صاحب نے بریک لوز کر دیے ہوں گے۔''

''معمولی حالات میں اس موت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''اور دوسری؟''

''دوسری، ایک عمارت کی پانچویں منزل سے گرنے سے واقع ہوئی ہے۔گرنے والا ایک بوڑھا پارسی تھا۔اس کے نوکر نے بھی ایسے ہی ایک خط کا ذکر کیا ہے، جسے پارسی نے مذاق سمجھ کر پھاڑ ڈالا تھا، لیکن اس میں وہی تاریخ دی گئی تھی۔یہ دونوں پولیس کے علم میں اس لیے نہیں لائے گئے کہ ایک تو ان کی موتیں قدرتی اسباب سے واقع ہونے میں کسی کو شبہ نہیں تھا، دوسرے ان خطوط کے بارے میں کوئی بھی سنجیدگی سے سوچنے پر تیار نہ تھا۔مجھے بھی یہ واقعات ایک پریس رپورٹر سے آج معلوم ہوئے ہیں۔''خان نے بتایا۔

''تب تو معاملہ سوچنے لائق ہے۔''

''سلوانیا کی ماں اور بہن کا پتا چلا؟''خان نے پوچھا۔

''مجھ سے ہی حماقت ہوئی کہ میں نے ان کا پتا نہیں پوچھا۔ویسے اس گلی والوں نے اس کی ماں اور بہن کے وجود سے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔''بالے نے بتایا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس نے ان سے بھی چھپایا ہو۔''

''ہُم...''خان سوچنے لگا۔

''کیوں نہ اخبارات میں اس کا فوٹو دے کر اعلان کر دیا جائے۔''

Akram Allahabadi

''تجویز یہ بھی قابلِ غور ہے۔''

''تو پھر؟''

''یہ اعلان کرا دو کہ اس کا کوئی وارث یا واقف کار اس کے بارے میں کوئی خاص معلومات اگر پولیس کو پہنچا سکے تو یہاں آ کر ملے۔'' خان نے کہا۔

''بہتر ہے۔''

''اچھا تم لوگ جاؤ، اور ہاں، ڈیسوزا صاحب، آپ ذرا دراز قد والوں پر نظر ڈالیے۔''

''او کے سر۔''

بالے اور ڈیسوزا دونوں ساتھ ہی اٹھے اور سلام کر کے باہر نکل آئے۔ خان تنہائی میں سکون سے بیٹھ کر سلوانیا کی تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ملک الموت خاں

""""ارے سالے اب اپنے ہی گلے پڑے۔"

"کون ہے، میاں؟" شمو نے جلدی سے سوال کیا۔

"ارے وہی ملک الموت خان کی چھٹی ہے۔ مجھے بھی سالے احمق سمجھے ہیں۔"

شوکت نے ہنس کر اس خط کو میز پر پھینک دیا۔

"میاں، یہ معاملہ کیا ہے آخر؟" شمو نے اس کی تقلید میں اپنی جھنجلاہٹ کا اظہار کیا۔

"اب کاہے کا ماملہ واملہ، ہم لوگ بھی اسکول میں ایسی بھوت سی شرارتیں کیا کرتے تھے۔" شوکت نے کہا۔ "سلطانیہ انفنٹری کی سڑک پے سفید کالے بھوتوں کی جوڑی نے رات کو رستہ بند کر دیا تھا پبلک کا۔"

"میاں، آپ کون سے بھوت تھے؟"

"میں کالا بھوت تھا۔" شوکت روانی میں کہہ گیا، پھر چونک پڑا۔ ایں...ابے تا تیسے سالے، میں بھوت ہو سکتا ہوں؟"

"نہیں میاں، جھوٹ موٹ، یانی آپ کی اسکول والی شرارت۔"

"ہوشت...، وہ تو توفیق میاں جاگیردار کا لڑکا مقصود بنتا تھا، میں کاہے کو بنو بھوت موت، ہوشت۔"

"وہی تو، میاں۔ میں نے سوچا آپ بھلا ایسی چھوٹی موٹی شرارتیں کاں کر سکتے ہیں۔ آپ تو غلیل سے ماسٹر صاحب کی فاختہ اڑاتے ہوں گے۔"

"ارے وئی بات ہوئی، یانی تو نہیں اور سئی..یہ نہیں کرتے ہوں گے تو وہ

Akram Allahabadi

کرتے ہوں گے۔یانی کچھ کرتے ہوں گے سالے شمو میاں کا سر۔"

"میاں، میرا سر، میرے باپ کا سر۔اچھا آپ وہ ملک الموت صاحب کی چھٹی کی بات کررئے تھے نا؟"

"ابے بھوت دیکھے ہیں ایسے ملک الموت۔ایک بچاری مسز پارکو بھی کسی سالے نے چھٹی لکھ دی تھی، وہ تو بیوقوف بن گئی، مگر اپن کوئی بالکل گدھے خاں مجیں ہیں۔"شوکت نے بہادرانہ شان سے کہا۔

"مجیں میاں، آپ کو کون کہہ سکتا ہے۔"

"کیا؟"شوکت چونکا۔

"میاں، وئی جو آپ کے رئے تھے۔"شمو گھبرا گیا۔

"یانی کیا...؟"

"یانی، اللہ نہ کرے جو آپ ہوں۔"

"سالے، منہ سے بول، کیا؟"

"اب میں کیسے اس جانور کا نام لوں، میاں؟"

"تیرا تو باپ بھی لے گا نام اس کا، کیا؟"

"میاں میں گدھا۔"

"تو سالے کس نے تجھے اِتّی بڑی تشری (تشریح) کرنے کو کا (کہا) تھا، میں تو ایک ضرب المثل کے ریا تھا۔"

"میاں، غستاخی ماف، بالے صاحب سے بھی کائے کو سلا (صلاح) مجیں لے لیں آپ۔یانی میرا مطلب ہے کہ شرارت والے کا پتا تو چلانا چاہیے۔"

"اللہ میاں نے اِتّی عقلِ سلیم مجھے بھی دی ہے، میں وئیں جا ریا ہوں، تم گاڑی نکلواؤ۔"

''اچھا میاں۔''

شمو گیرج سے گاڑی نکلوانے چلا گیا اور شوکت لباس تبدیل کرنے ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔

☆☆☆☆☆☆

بوڑھی عورت کی حالت واقعی قابلِ رحم نظر آ رہی تھی اور اس کے ساتھ جو گوری سی نوجوان لڑکی تھی، وہ اگرچہ خاموش تھی، لیکن اس کے چہرے سے گہرے ملال کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہی سلوانیا کی ماں اور بہن تھیں، سلوانیا کی چھوٹی بہن سلوانیا سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش تھی۔ سادا اور معمولی کپڑوں میں بھی وہ حسین معلوم ہوتی تھی۔ اسے معصوم سے چہرے پر سوائے پژمردگی کے اور کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ خان نے سلوانیا سے متعلق ان سے سوالات کرنے کے بعد انھیں مردہ گھر سے لاش لیجانے کی اجازت دیدی۔ ان سے سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم ہوسکا کہ سلوانیا نے اپنی مرضی سے کسی ڈیوڈ نامی آدمی سے خفیہ طور پر شادی کرلی تھی اور تب سے وہ اس کے پاس ہی رہتی تھی۔ ان لوگوں کو کبھی ڈیوڈ سے ملنے یا اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، البتہ سلوانیا انھیں خرچ کیلیے دو (۲) سو روپے ہر مہینے بھیج دیا کرتی تھی۔ یہ رقم یا تو ڈیوڈ کا ملازم لاتا تھا، یا کبھی خود سلوانیا دے جاتی تھی۔ لیکن ڈیوڈ کے ملازم کا جو حلیہ ان لوگوں نے بتایا وہ سنتے ہی خان چونک پڑا۔ ان کے بیان کے مطابق وہ ایک لمبوترے چہرے کا لمبا مگر پتلا آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں چمکدار تھیں اور انگلیاں لمبی اور جیسے اکڑی ہوئی ہوں۔ اس کے پیر بڑے بڑے تھے اور وہ اونٹ کے سے انداز میں چلتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایک گرم کوٹ پتلون پہن کر آتا تھا۔ اس سے زیادہ وہ اس آدمی کے بارے میں کچھ نہ بتا سکیں۔

جب وہ آفس سے باہر نکلیں، تو سلوانیا کی بوڑھی ماں شدتِ غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔ وہ دیوار سے ٹک گئی۔ سلوانیا کی بہن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ اسے سنبھالنے لگی۔

''اب ہمارا کیا ہوگا، میکی؟'' بوڑھی عورت نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔

''فکر نہ کرو، ماں، میں کالج چھوڑ کر نوکری کر لوں گی۔ میں تمہیں سنبھال لوں گی۔''
لڑکی اسے دلاسا دینے لگی۔

''نہیں بیٹی، ہماری آج کی دنیا میں جوان لڑکیوں کو نوکری بھی اپنی عزت کے عوض حاصل کرنی پڑتی ہے۔'' بوڑھی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''نہیں ماں، دنیا میں سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔'' وہ اسے سمجھانے لگی۔ ''یہاں سے چلو، ورنہ لوگ ہمارا تماشا بنالیں گے۔''

ماں آہستہ آہستہ بیٹی کے ساتھ چلنے لگی۔ بالے وہیں کھڑا تھا۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر خود وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ وہ شاید ہمدردی کے کچھ الفاظ بولنے ہی جا رہا تھا کہ پشت سے خان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''بالے، یہاں آؤ۔''

''آ گیا۔'' وہ قریب پہنچ کر بولا۔

''احتیاط سے ان لوگوں کو فالو کرو۔'' خان کی اس ہدایت نے اسے چونکا دیا۔

''ان غریبوں کو...؟'' اس نے یقین نہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ کرو، بس۔'' خان کا لہجہ درشت ہو گیا اور کوئی بحث کرنے کی اسے جرأت نہیں ہوئی۔

ہیڈ کوارٹرز کی عمارت سے باہر آ کر اس نے دیکھا وہ دونوں بس کی لائن میں کھڑی ہوئی تھیں۔ بالے فاصلے پر رک گیا۔ اس کی نظر اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی ایک چھوٹی موررس کار پر پڑ گئی۔ اس کے اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوا آدمی چور نظروں سے ان دونوں کو گھور رہا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اتفاق سے ہوا تھا، کیونکہ فوراً بعد ہی اس آدمی نے نظریں بچالیں۔ بالے وہاں سے ہٹ کر ایک ٹیکسی کی آڑ میں ہو گیا۔ بس کے آتے ہی دونوں سوار ہو گئیں۔ لیکن

Akram Allahabadi

بالے نے آگے بڑھتے بڑھتے خیال بدل دیا۔ وہ پاس ہی کھڑی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا وہ سیاہ رنگ کی مورس اس بس کے پیچھے جا رہی تھی۔ بس گھنٹہ ٹرافک کے علاقے سے گزرتی ہوئی جب بلارڈ برج پر پہنچی تو وہ دونوں اس سے اتر گئیں۔ اب وہ ساتھ ساتھ پیدل چل رہی تھیں۔ مین روڈ کو چھوڑ کر وہ ایک کم چوڑی اسٹریٹ میں داخل ہو گئیں۔ وہ کالی کار وہیں رک گئی۔ اس میں سے اترنے والا ایک سیاہ فام سا اوسط قد وقامت کا آدمی تھا۔ وہ بظاہر لاپرواہ سا ادھر ادھر نظریں دوڑاتا اس گلی کے منہ پر پہنچ کر رک گیا۔ بالے نے ٹیکسی ذرا آگے بڑھا کر رکوائی تھی۔ اسے ٹیکسی کے بیک اسکرین سے اس آدمی کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے میں کوئی دقت نہ پیش آئی۔

کچھ دیر بعد اس نے اسے بھی گلی میں جاتے دیکھا اور ٹیکسی سے اتر کر ٹیکسی والے کو انتظار کرنے کی ہدایت کر کے وہ بھی گلی میں داخل ہو گیا۔ وہ آدمی ایک ہوٹل کے نزدیک کھڑا ہو کر سامنے کی لائن میں ایک مکان کی دوسری منزل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالے نے اسکی نظر سے اس کمرے کا اندازہ لگا لیا، جس کی کھڑکیاں ابھی ابھی کھولی گئی تھیں۔ پھر اس نے ایک کھڑکی سے میگی کو باہر جھانکتے دیکھا۔ میگی کی نظر جیسے ہی اس آدمی پر پڑی، اس نے چونک کر جلدی سے سر اندر کر لیا اور وہ آدمی بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ ہوٹل کے ایک دروازے میں داخل ہو کر قدرے آڑ میں ہو گیا۔ بالے نے یہ دیکھ کر قدم آگے بڑھائے اور اس انداز میں جیسے اسے اس آدمی کے وجود کا بھی احساس نہ ہو، معمولی رفتار سے چلتا ہوا اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ پھر اسے اس کی دوسری منزل پر پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ لیکن ہوٹل کے سامنے سے وہ اس طرح گزرا تھا کہ وہ آدمی اس کی شکل نہ دیکھ سکے اور عمارت میں داخل ہونے تک اس نے اپنی پشت ہی اس کی طرف رکھی تھی۔ دوسری منزل پر اس نے جس کمرے کے دروازے پر دستک دی، وہ ٹھیک وہی کمرہ نکلا جس سے میگی نے جھانکا تھا۔ دروازہ کھولنے میں جب دیر لگی، تو وہ سمجھ گیا کہ وہ دونوں ڈر رہی ہیں۔

''گھبرایئے نہیں، دروازہ کھولیے، میں پولیس کا آدمی ہوں۔'' بالے نے باہر سے آہستہ سے جواب دیا۔

ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا گیا۔اس نے دیکھا میگی کا چہرہ زرد ہو رہا تھا، لیکن بالے کو دیکھ کر اس نے پہچان لیا کہ یہ افسر پولیس کے دفتر میں موجود تھا، وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''آ سکتا ہوں؟'' بالے نے پوچھا۔

''آیئے۔'' اس نے پلٹتے ہوئے کہا۔اندر داخل ہونے پر بالے نے دروازہ صرف بھیڑ لیا۔کمرے کے دوسرے حصے سے اسے سلوانیا کی ماں کی آواز سنائی دی۔

''کون ہے، میگی؟''

''پولیس افسر ہیں، ممی۔'' میگی نے جواب دیا۔''بیٹھیے۔'' وہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے بالے سے بولی۔بالے بیٹھ گیا۔میگی کی سادگی نے اسے مرعوب سا کر دیا تھا۔

''جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا، اب کیوں ہمیں پریشان کر رہے ہو، بھائی؟'' میگی کی ماں نے کانپتی آواز میں کہا۔

''میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں، کسی کو پریشان کرنا پولیس کا کام نہیں ہے۔'' بالے نے نرمی سے کہا۔

''اب کیا رہ گیا ہے؟'' میگی سرد کھینچ کر بولی۔

''بہت کچھ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ لوگ خطرے میں ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' میگی گھبرا کر بولی۔

''ابھی آپ نے سامنے ایک آدمی کو کھڑے دیکھا تھا؟''

''جی، جی ہاں۔'' وہ پھر زرد سی پڑ گئی تھی۔''

''آپ نے اس سے ڈر کر سر کیوں اندر کر لیا؟''

''وہ...وہ مجھے خوفناک نظروں سے گھور رہا تھا۔''

Akram Allahabadi

''نہیں، کوئی اور بات بھی ہے جو آپ چھپا رہی ہیں، حالانکہ اس سے آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''وہ... وہ ایک بار اس لمبے آدمی کے ساتھ آیا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھا رہا تھا اور لمبا آدمی اکیلا یہاں اوپر آیا تھا روپے دینے۔'' میگی نے بتایا۔

''بہت اچھا کیا جو آپ نے بتا دیا۔'' بالے نے یہ کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مگر سنیے تو۔'' میگی نے روکنا چاہا۔

''پھر سنوں گا، ورنہ وہ نکل جائے گا۔'' یہ کہتا ہوا بالے دروازے سے باہر نکل گیا۔

لیکن جب وہ نیچے اترا تو نہ وہ آدمی تھا نہ اس کی کار۔ وہ دوڑتا ہوا اپنی ٹیکسی تک پہنچا، لیکن ٹیکسی ڈرائیور کوئی عقلمند آدمی ہی نکلا۔ وہ پہلے ہی غائب ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بل کی بھی پرواہ نہ کی۔ اب کوئی بھی کوشش بے سود تھی۔ توقع تھی تو صرف ایک کہ اس کار کا نمبر پلیٹ بالے نے نوٹ بک میں لکھ چکا تھا اور رجسٹرار آفس سے اس کار کے مالک کا پتا مل سکتا تھا۔ اس نے سڑک کے کونے والے ہوٹل سے اسی وقت ہیڈ کوارٹرز کو فون کیا۔ خان جا چکا تھا اور انسپکٹر شاہ وہاں موجود تھا۔ اس نے تمام واقعہ انسپکٹر شاہ کو بتا کر میگی اور اس کی ماں کی حفاظت کیلیے خفیہ پولیس کے دو آدمی بلوا لیے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت سے پہلے

گیارہ بجنے میں ابھی ۲۵ منٹ باقی تھے۔ بالے خود مسز پارکر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے گھریلو لباس میں بھی مسٹر پارکر کی یہ جواں سال بیوہ بڑی دلفریب نظر آتی تھی۔ کمرے میں سناٹا تھا اور مسز پارکر کے دو ملازم باہر ہی بیٹھے تھے۔ بیرونی دروازے پر پولیس کا ایک آدمی دروازے سے منسلک دیوار کی آڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی عقبی حصے پر تعینات تھا اور باہر برآمدے میں۔

بالے کی دونوں بغلوں میں لوڈ کیے ہوئے ریوالور لٹک رہے تھے۔ مسز پارکر کبھی تو اس کی موجودگی سے کچھ مطمئن ہو جاتی، کبھی خوفزدہ نظر آنے لگتی۔ بالے نے اسے بہلانے کیلیے کلبوں اور تفریح گاہوں کے قصے چھیڑ رکھے تھے۔ باورچی کو مسز پارکر نے آج خاص طور پر روک لیا تھا، کیونکہ بالے نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ خود ابھی اتنی ہمت نہ پاتی تھی کہ مہمان کیلیے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر لائے۔ اس نے تو رات ہونے کے بعد وہ کمرہ ہی نہیں چھوڑا تھا۔ چائے کے دو دور چل چکے تھے۔ اور رات کے وقت کھانے کے بعد بالے کو کیونکہ نیند آنے لگتی، اس لیے اس نے چائے پر ہی اکتفا کی تھی۔ باورچی کو گئے کافی دیر ہو جانے پر جب اس نے ماحول کا جائزہ لیا تو چاروں طرف بھیانک سناٹا طاری معلوم ہوا۔

گیارہ بجنے میں ۲۰ منٹ ہی رہ گئے اور مسز پارکر کے قلب کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی۔ اس کے چہرے پر زردی چھانے لگی جسے وہ پھیکی مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ گھبرا کیوں رہی ہیں؟ میں تو موجود ہوں ساتھ میں۔" بالے نے اسے ہمت دلائی۔

Akram Allahabadi

''نن...نہیں تو۔'' وہ خشک حلق میں تھوک نگل کر بولی۔

''میں سمجھا آپ گھبرا رہی ہیں۔'' بالے مسکرایا۔

اچانک باورچی خانے میں برتن گرنے کی آواز آئی اور وہ اچھل کر بالے پر آپڑی۔ وہ عالمِ خود میں بالے سے اس طرح لپٹ گئی جس طرح بچہ لپٹ جاتا ہے۔اس کے گرم ملائم جسم کے لمس سے بالے کے ہوش اڑنے لگے،اس نے آہستگی سے علیحدہ کیا۔''شاید باورچی خانے میں بلی،یا چوہے نے برتن گرایا ہے۔'' بالے نے نرم لہجے میں کہا۔

''اوہ۔'' وہ شرمندہ سی ہو کر پھر سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی۔

کچھ دیر تک سناٹا طاری رہا۔پھر اس نے خود ہی بالے سے پوچھا۔

''کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ کچھ نہ ہوگا؟''

''باہر بھی پولیس کا مضبوط انتظام ہے،اگر یہ کوئی سازش بھی ہے تو کامیاب نہیں ہوسکتی۔'' بالے نے بتایا۔

''لیکن میرا دل ڈر رہا ہے۔''

''قدرتی بات ہے،آپ صنفِ نازک ہیں۔''

''نہیں،یہ بات نہیں،آخر اگروال کا واقعہ بھی تو ہو چکا ہے۔''

''وہ تو محض اتفاق تھا۔'' بالے نے جھوٹ بولا۔حالانکہ خان کے بیان کے مطابق دو واقعات اور ہو چکے تھے۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

اسی وقت باہر کسی کے قدموں کی چاپ ہوئی اور وہ پھر اچھل کر بالے کے صوفے پر آ گئی۔''مجھے بچایئے،مجھے بچایئے۔'' وہ خوف سے لرزتے ہوئے اس بری طرح اس سے لپٹ گئی کہ بالے اسے اپنے سے علیحدہ نہ کرسکا۔

''دیکھیے نا،آپ فضول ڈر رہی ہیں،کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' بالے اسے تسلی دینے کی

Akram Allahabadi

کوشش کرتے ہوئے بولا۔مسز پارکر نے ایک بار سر اٹھا کر خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا، دروازے کے شیشے پر ایک انسانی سایہ اسے متحرک نظر آیا۔اس نے چیخ ماردی۔ بالے جھنجلا گیا۔وہ اسے صوفے پر دھکیل کر دروازے کی طرف دوڑا اور اس نے جھٹکے سے دروازہ کھول دیا، باہر محکمۂ خفیہ کا آدمی ہی ٹہل رہا تھا جو اسے دیکھ کر اٹینشن ہوگیا۔

''یہ کیا حماقت ہے؟ دروازے پر کھڑے ہونے کو کس نے کہا تھا تمہیں؟'' بالے اس پر بگڑ گیا۔

''حضور، میں سوچ رہا تھا اندر ایسا سناٹا کیوں ہے۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

''تمہیں جو ڈیوٹی دی گئی ہے، صرف اس پر دھیان رکھو۔'' بالے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''بہتر ہے۔'' وہ ادب سے بولا اور پیچھے ہٹ گیا۔

''واپس آکر بالے نے دیکھا مسز پارکر پھٹی پٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

''وہ میرا ہی آدمی تھا، باہر ٹہل رہا تھا۔'' بالے نے کہا۔

''آ...آپ کا آدمی تھا۔'' اس نے ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔گیارہ میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔

الماری پر رکھی ٹائم پیس کی ٹک ٹک اب مسز پارکر کے دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ ہوگئی۔اسکے ہونٹ خشک ہونے لگے، جن پر وہ بار بار زبان پھیرتی۔بالے نے اسے پھر سامنے صوفے پر بٹھادیا تھا اور اس کے اطمینان کیلیے اپنا ریوالور نکال لیا تھا، لیکن اس کے چہرے کی زردی بڑھتی ہی جارہی تھی۔

''ایک منٹ...''

''دو منٹ...''

''تین منٹ...''

مسز پارکر نے چیخ ماری۔

''اب کیا ہوا؟''

''کک...کچھ نہیں۔''

پھر ایک بھیانک سناٹا ماحول پر مسلط ہو گیا تھا۔

''پانچ...''

اور جیسے ہی بڑی سوئی بارہ پر پہنچی، اچانک ایک دھماکا ہوا اور چشم زدن میں چھت کا درمیانی حصہ ٹھیک اسی جگہ گرا، جہاں صوفے پر مسز پارکر بیٹھی تھی۔اس کی چیخ بھی اس دھماکے میں دب کر رہ گئی۔اور بالے کی آنکھوں میں بھی تارے ناچ گئے۔اور پھر تاریکی کی اتھاہ گہرائیاں۔

☆☆☆☆☆☆

''زخم زیادہ شدید نہیں ہے، آپ چاہیں تو انھیں لے جا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر سید خان سے کہہ رہا تھا۔

اتنے میں بالے خود ہی وارڈ سے نکل آیا۔اس کے چہرے پر بھی دو جگہ زخم آئے تھے، جن پر ڈاکٹر نے پٹی لگا دی تھی۔

''مجھے بہت افسوس ہے۔'' بالے نے خان کے سامنے نظریں جھکا کر کہا۔

''تمہارا کوئی قصور نہیں، تمہارا انتظام درست تھا، لیکن کاش تم نے چھت پر بھی نظر ڈال لی ہوتی۔''

''میں نے دیکھا تھا، میں نے دوسرے کمروں کے علاوہ اس کمرے کی ایک ایک چیز ٹٹولی تھی۔'' بالے نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''چھت پر پانی کی چھوٹی ٹنکی ٹھیک اسی جگہ رکھی تھی۔اور دراصل چوٹ اس قدر نہ لگتی کہ مسز پارکر کی موت ہی واقع ہوجائے، لیکن چھت کا وہ حصہ ٹنکی سمیت اس پر گرا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا یہ بھی قدرت...؟'' بالے کہتے کہتے رک گیا۔

''نہیں، وہ ٹنکی پہلے دوسری جگہ رکھی تھی، میں نے اس کے پایوں کے نشانات دیکھے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''کاش میں اسے بچا سکتا۔بیچاری وقت سے پہلے ہی جان چھوڑے دے رہی تھی۔ مجھ سے وہ منظر بھلایا نہیں جاتا۔'' بالے نے افسوس زدہ سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

''جذباتی نہ بنو، مجھے ڈر ہے کہ یہ خوفناک سلسلہ دراز نہ ہوجائے۔'' خان نے کہا۔

''میں ساتھ چل رہا ہوں۔'' بالے نے زخم کی پرواہ کیے بغیر کہا۔

ڈاکٹر تو پہلے ہی خان سے کہہ چکا تھا۔

کار میں بیٹھنے کے بعد بھی بالے چپ سا تھا۔

''کیوں...؟ یہ منہ کیوں بند ہے؟''

''میں نے منہ کی کھائی ہے۔''

''تو اس کا مداوا یہ ہے کہ جلد از جلد اس ملک الموت کا پتا لگاؤ۔''

''کہاں...؟ اوپر جا کے؟''

''بکومت، تمہیں خبر ہے سلوانیا کون تھی؟''

''سلوانیا، سلوانیا تھی، اور کیا؟''

''میں دو دن سے ذہن پر زور دے رہا تھا کہ میں نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا تھا۔''

''تو پھر؟''

''پھر یہ کہ بس دیکھا تھا۔''

Akram Allahabadi

''لیکن کہاں؟''

''ابھی نہیں، وقت آنے پر بتاؤں گا، ویسے تم نے کار کے متعلق کیا معلوم کیا؟'' خان نے پوچھا۔

''وہ ایک پرائیوٹ ٹیکسی ہے، قریشی گیرج سے حاصل کی گئی تھی۔''

''کیا ان لوگوں نے بے جانے پہچانے گاڑی دے دی تھی؟''

''دوسو روپے ڈپازٹ لے کر انھوں نے گاڑی دو دن کے لیے دی تھی۔ پاس ہی ایک پٹھان رہتا ہے، اس نے کہا تھا وہ گاڑی کرائے پر لینے والے کو پہچانتا ہے۔''

''تب پھر؟''

''وہ آدمی مل کا ایک مستری نکلا، اور جب گاڑی میں نے دیکھی تو وہ دوسری ہی نکلی۔''

''لاحول ولاقوۃ۔''

''کس پر؟''

''تمہاری محنت پر۔''

''آپ ہی تو کہتے ہیں کہ معمولی سے امکانات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔''

''ہُم... پھر میگی سے ملو، ممکن ہے اب وہ ذہنی سکون کی حالت میں تمہیں اس آدمی کے بارے میں کچھ اور بتا سکے۔''

''بہتر ہے، میں جاؤں گا۔''

ان کی کار جب آفس کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو بالے ایک آدمی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ وہی ٹیسی ڈرائیور تھا، جس کی ٹیکسی میں بالے نے اس کار کا تعاقب کیا تھا۔ ٹیکسی والا خود اس کے قریب آ گیا۔

''سارجنٹ صاحب، میں کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ بالے سے

مخاطب ہوا۔خان آگے بڑ گیا اور بالے وہیں رک گیا۔

''کیا اس دن کا کرایہ وصول کرنا ہے؟''

''تو کیا آپ سمجھتے تھے کہ میں اس وجہ سے گاڑی لے کر چل دیا؟''

''خیال تو یہی ہوا تھا۔''

''میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کسی وجہ سے اس آدمی کا پیچھا کر رہے تھے۔آپ کو آنے میں جب دیر ہوئی اور میں نے اسے تیز تیز آ کر کار میں بیٹھتے دیکھا تو ایک منٹ آپ کا انتظار کرنے کے بعد میں نے خود ہی اپنی ٹیکسی اس کے پیچھے لگا دی تھی۔''ڈرائیور نے بتایا۔

''ارے واہ، میرے شیر۔''بالے نے اچھل کر اس کی پیٹھ تھپکی۔

''میں وہ جگہ دیکھ کر آیا ہوں، جہاں وہ آدمی گاڑی رکھ کر اندر گیا تھا۔''

''یار، تم نے بڑا کام کیا ہے، بولو کیا انعام دوں تمہیں؟''

''انعام لے کر کیا کروں گا، صاحب، میں نے تو اچھا کام سمجھ کر کیا ہے۔''

''قانون کی مدد کرنا اچھا ہی کام ہے۔''

''تو کب چلیں گے آپ؟ دیکھ لیجیے، شاید آپ کا کام ہو جائے۔''ڈرائیور نے بڑی سادگی سے کہا۔

''آں... ہاں، ابھی چلو۔''

بالے نے خان کو اطلاع کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی اور اسی وقت اس کی ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے ان کی ٹیکسی ایک اجاڑ سے علاقے میں داخل ہو گئی، یہاں بنیادیں ڈال کر ایک نئی کالونی بسائی جا رہی تھی اور ایک میدان کے پار فاصلے سے چند احاطوں والے بنگلے بنے ہوئے تھے۔

سڑک ناہموار ہونے کی وجہ سے گاڑی کو ہچکولے لگ رہے تھے۔

Akram Allahabadi

''لیکن تم نے یہ کیسے یقین کرلیا کہ وہ یہیں رہتا ہوگا؟'' بالے نے ٹیکسی ڈرائیور سے سوال کیا۔

''میں نے بہت دیر تک اس کے نکلنے کا انتظار کیا تھا، مگر جب میں نے احاطے میں جھانک کر دیکھا تو وہ گاڑی گیرج میں رکھی جا چکی تھی۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا۔

''اچھا، ٹیکسی یہیں روک لو، قریب جانے سے آواز ہوگی۔'' بالے نے ہدایت کی اور اس نے ٹیکسی روک دی۔

''تم یہیں رہنا، اور اگر مجھے واپسی میں دیر ہو تو کسی قریب جگہ سے جہاں فون ہو دو صفر (۰۰) گھما کر ایمرجنسی پولیس کو فون کر دینا۔'' بالے نے کہا۔

''اچھا صاحب۔'' ڈرائیور نے سر ہلایا اور بالے پیدل ہی اس بنگلے کی طرف بڑھنے لگا، جس کی طرف ٹیکسی ڈرائیور نے اشارہ کیا تھا۔

اس نے قریب پہنچ کر کرمیٹم کی قطار سے احاطے میں جھانکا، وہ سونا پڑا تھا۔ اس نے سوچا کیا ضروری ہے کہ کوئی اس وقت بھی یہاں موجود ہو، لیکن دل نہ مانا۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

پورٹیکو میں پہنچ کر اس نے کھلی ہوا میں ٹھنڈک سی محسوس کی، پھر جیسے کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی ہو۔ اور اسی وقت ایک کریہہ المنظر بوڑھا سا آدمی باہر نکل آیا۔ وہ شکل سے کوئی یہودی معلوم ہوتا تھا۔

''فرمایئے...؟ کون ہیں آپ؟ کس سے ملنا ہے؟''

''کیا نواب شیر جنگ یہاں رہتے ہیں؟'' بالے نے جلدی سے پوچھا۔

''جی نہیں، کسی نواب کی پیدائش اس علاقے میں نہیں ہوئی۔ یہاں میں رہتا ہوں۔'' وہ خراب موڈ میں بولا۔

''آپ کی تعریف؟''

''میں خود کیوں اپنی تعریف کروں؟''

Akram Allahabadi

''میرا مطلب ہے آپ کا اسمِ شریف؟''

''میں شریف بھی نہیں ہوں، میں بہت کمینہ آدمی ہوں۔اب فرمایے؟''

''اچھا نام ہی بتا دیجیے؟''

''میرا نام نریمان سرکل ہے، باپ کا نام ایبر ہاؤس تھا۔ایکسیڈنٹ میں مر گئے۔ میں نے بھی تیاری کر رکھی ہے، کسی دن چلا جاؤں گا، پھر کس سے نام پوچھیے گا؟'' وہ سر کو جھٹک کر بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔اور بالے کی کھوپڑی گھوم گئی۔کہیں کسی پاگل سے تو پالا نہیں پڑا ہے۔

''اچھا، آپ کے پاس کوئی کار برائے فروخت ہے، میں دراصل ان نواب صاحب کو بھی اسی لیے تلاش کر رہا تھا۔''

''جی ہاں، میری ایک چھوٹی سی کار ہے، مگر میں آپ کے ساتھ اس کی شادی نہیں کروں گا۔آپ دوسرا گھر دیکھیے۔''

بالے کچھ بولنے ہی جا رہا تھا کہ اچانک ایک چیخ کی آواز سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔آواز نسوانی تھی۔

''میری بکری رو رہی ہے۔'' بوڑھے آدمی نے کہا۔

لیکن بالے اسے دھکیلتا ہوا تیزی سے اندر گھس گیا۔

یہ بڑا سا چوکور ہال تھا، جس کی چھت کافی اونچی تھی۔

اس میں چار دروازے تھے، تین بند تھے، صرف ایک کھلا ہوا تھا۔

بالے اسی میں داخل ہو گیا، لیکن اس نے یہاں جو منظر دیکھا، وہ چونکا دینے وال تھا۔اس کے سامنے میگی بال بکھرائے کھڑی تھی۔وہ اپنے دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچ رہی تھی۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس نے اپنا اسکرٹ اس طرح پھاڑ ڈالا تھا کہ اس کی گوری گوری ٹانگیں رانوں تک ننگی نظر آ رہی تھیں۔کوئی اور ہوتا تو حسنِ عریاں کے ان جلوؤں میں اسے اپنی

سدھ بدھ نہ رہتی، مگر بالے اس کے بارے میں کچھ اچھے خیالات رکھتا تھا۔ اس نے دوڑ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''تم یہاں کیسے آ گئیں، میگی؟'' وہ اسے جھنجوڑتے ہوئے بولا۔

''ہٹ جاؤ، سور کے بچے۔ میری دم سے مت الجھو، میں دمدار ستارہ ہوں جو بارہ سال میں ایک بار نکلتا ہے۔''

''میگی۔'' بالے نے اسے پھر جھنجوڑا۔

''تم کہاں مر گئے تھے، پردیسی۔ دیکھو، میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے کو کھوئی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔ بالے گھبرا گیا۔ ایک پرشباب گداز جسم کی لمس جب کہ وہ خوبصورت بھی ہو، اس وقت کسی کو بھی پاگل بنا سکتا تھا، لیکن اس سراغرساں کے سر پر تو صرف سرغ کا بھوت سوار تھا اور میگی سے اسے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اسے بازوؤں میں سنبھال کر غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان میں ایک سحر زدہ سی کیفیت اسے نظر آئی، جیسے اس کی آنکھوں کی پتلیاں بھی اس کا ساتھ نہ دے رہی ہوں۔

''ہوش میں آؤ، میگی۔'' اس نے ایک بار پھر زور سے جھنجوڑا۔

''تم الو ہو۔'' اس نے بالے کے منہ پر تھوک دیا اور بالے کو گھبرا کر رومال سے منہ صاف کرنا پڑا۔ میگی قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

''میکی ماؤس، میکی ماؤس، ہیز ازیور ہاؤس۔ ڈی ڈم ڈاڈی ڈم ڈاڈی... ڈی ٹی... ڈی فائم... آئی اسمل دی اسمل آف اے گدھا۔ فوں گوں فوں... ہاہاہاہا...'' اور ہنستے ہنستے وہ نڈھال ہو کر بالے کے بازوؤں میں ہی گر پڑی۔

''میگی، تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہیں کون یہاں لایا ہے؟'' بالے نے اس کے بال تھام کر سر کو جھٹکے دیتے ہوئے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''چھوڑ دے، اوجلاد، میں سیزر کے باپ کی غلام نہیں ہوں۔ میرا پیارا فلونولیس اس کی ہڈیاں چور چور کر دے گا۔ ارے، ارے... ارے، دوڑنا کوئی، یہ بھیڑیا مجھے کھائے جا رہا ہے۔ بھیڑیا... خوں خوں... خررر...'' اور وہ بالے پر اس طرح جھپٹی جیسے اسے کچا ہی چبا جائے گی۔ اس نے بالے کی کلائی میں دانت گاڑ دیے۔ بالے کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ لیکن اسی وقت اچانک بند دروازہ جھٹکے سے کھلا اور چہرے پر سفید نقاب ڈالے ہوئے دو آدمی اندر آ پہنچے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ میگی چیخ مار کر دیوار سے جا لگی۔ بالے چاہتا تھا کہ ہاتھ جیب میں ڈالے، لیکن ان میں سے ایک نے ٹوک دیا۔

''نہیں، سارجنٹ، زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔''

مجبوراً بالے نے ہاتھ اٹھا دیے۔ وہ دونوں آگے بڑھے۔ بالے اسی طرح کھڑا رہا، مگر وہ جیسے ہی قریب آئے، اس نے کسی بندر کی طرف اچھل کر بڑی پھرتی سے ان دونوں کے سینوں پر اپنی دو لاتیں جمائیں اور واپس آ گرا۔ وہ فرش پر چت ہی گرے تھے کہ دوسرے لمحے پلٹ کر وہ بازو پھیلائے ان پر جا پڑا۔ اس نے ایک کا ریوالور والا ہاتھ دانتوں میں لے کر اس زور سے دانت گڑائے کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دوسرا اس پر حملہ کرنے ہی جا رہا تھا کہ بالے کا ایک بھرپور گھونسا اس کی ٹھوڑی پر نیچے سے پڑا اور اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ میگی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ بالے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک داخلی دروازہ زور سے کھلا اور دوسرے لمحے بالے کی آنکھوں میں تارے ناچنے لگے۔ لیکن گرتے گرتے وہ اتنا ضرور دیکھ سکا کہ اس کے عقب میں جو پیر تھے، وہ کافی بڑے تھے۔ وہ تیورا کر وہیں گر پڑا۔ آنے والے نے لکڑی کا وہ مگدر ایک طرف پھینک دیا اور جیب سے ایک سرنج نکال کر ان میں سے ایک آدمی کو اشارہ کیا، جس نے آگے بڑھ کر بالے کا بازو تھام لیا اور سرنج اسکے بازو میں داخل کر دیا گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''دونوں کو نیچے بند کر دو۔ اب صرف ایک رہ گیا ہے۔'' دراز قد آدمی نے تحکمانہ

لہجے میں کہا۔

''بہتر ہے۔'' وہ دونوں بولے۔پھران میں سے ایک نے بالے کو کاندھے پر لادلیا اور دوسرا میگی کو ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لے چلا۔

درازقد آدمی کمرے سے واپس ہال میں نکل آیا، جہاں اس وقت وہی ٹیکسی ڈرائیور کھڑا ہوا تھا۔

''شاباش۔'' وہ اس کو دیکھ کر بولا۔''لیکن کسی نے پیچھا تو نہیں کیا؟''

''نہیں باس، میں نے اسے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ کسی سے ذکر بھی کر سکے۔'' ٹیکسی والا ادب سے بولا۔

''جاؤ اور اس موٹے آدمی کے گھر کے سامنے ٹھہرو۔'' درازقد آدمی نے اسے حکم دیا۔

''یہی ٹیکسی لے جاؤں؟''

''پلیٹ بدل دو، شہر میں اس ماڈل کی ہزاروں ٹیکسیاں ہیں۔'' درازقد آدمی نے جواب دیا۔

''اوکے۔'' ٹیکسی ڈرائیور اسے سلام کر کے باہر نکل گیا اور ایک خوفناک مسکراہٹ لمبوترے چہرے والے درازقد آدمی کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بدروح

''میں بالے بھائی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔''

''میں بھی اسے تلاش کر رہا ہوں۔شام سے اس کا پتا نہیں ہے۔اچانک کہیں چلا گیا ہے۔''خان نے شوکت کو بتایا۔

''یہ ملک الموت خاں بڑے لمبے چوڑے ہو رہے ہیں اب تو۔''

''کیوں کیا بات ہے؟''

''دیکھیے نا،اب مجھے بھی چٹھی آئی ہے،سالے مجھے بھی وئی سمجھتے ہیں۔''

''وہ چھٹی کہاں ہے؟''

''یہ لیجیے۔''شوکت نے چٹھی اس کے حوالے کر دی۔

''اوہ۔''خان اسے پڑھنے لگا۔اس میں شوکت کے لیے لکھا گیا تھا۔

بنام شوکت خاں ولد سعادت محمد خاں۔قوم مسلمان۔

انسان نمبر۔۲۷۵۲۱۳۶۰۰۲۱۵۸۹۳۸۷۳۵۷۹۱۰۸۔

دور۔۲۱۵۲۷۱۴۵۷۷ سال شمسی۔

عام اموات کے برعکس تمہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ آج سے ٹھیک سات دن کے بعد رات کو گیارہ بجے تمہاری زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔تمہارے لیے موت کا بہانہ ایک عورت تقرر کی گئی ہے۔

نیکیاں کماؤ اور وقت کی قدر کرو،کیونکہ موت اپنے وقت پر آئے گی۔

منجانب: ملک الموت

''اس کا تو مطلب یہ ہے کہ ملک الموت صاحب تمہاری کمزوریوں سے بھی واقف

Akram Allahabadi

ہیں۔'' خان مسکرایا۔

''کوئی سالا چار سو بیس آٹھ سو بیس مالوم ہوتا ہے۔یانی یہ کوئی بات ہوئی کہ ملک الموت آدمیوں کو پہلے سے چٹھیاں لکھنے لگے۔''شوکت نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ کوئی جمہوری قائدا ب مقرر ہوگیا ہو۔''

''اور لیجیے،تو یانی کہ اللہ میاں کے یاں بھی سیاست چلنے لگی اب۔''

''خیر،لیکن تمہیں بہت احتیاط رکھنی ہوگی۔''خان نے اسے سمجھایا۔

''ارے،یانی آپ بھی اس مزاخ کو سچ مچ سمجھ رئے ہیں کیا؟''

''ایسی کئی موتیں اب تک ہوچکی ہیں،بالکل ایسی ہی۔''خان نے کہا۔

''باپ رے۔''شوکت لرز اٹھا۔''مگر میں تو مزاخ سمجھا تھا۔''

''ابھی تک اس فرشتہ موت کا کوئی چیلنج فیل نہیں ہوا ہے۔''

''اللہ قسم؟''

''میں تمہیں واقعات بتا رہا ہوں۔''

''باپ رے،تب تو میں مرا۔''شوکت کی آواز کانپنے لگی۔

''میرے ساتھ رہو گے تو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔''

''آپ کیا ملک الموت صاحب سے بھی ٹکر لیں گے؟''شوکت خوف سے متاثر ہوکر ملک الموت کے نام کا احترام کرنے پر اتر آیا۔

''اچھا ہوا تم آگئے۔یہ خط میرے پاس چھوڑ جاؤ اور پانچ دن تک آرام سے رہو، باقی میں بھگت لوں گا۔''

''اچ...اچھا۔''شوکت کی ساری بہادری خطا ہوگئی۔اس کا جی چاہنے لگا کہ کوئی چوہے کا بل بھی ایسا مل جائے جہاں ملک الموت کے ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکیں تو وہ اس میں چھپ جائے۔ہائے، یہ لاکھوں کی دولت، یہ جوان العمری اور کنوارا پن۔اس نے سوچتے

Akram Allahabadi

سوچتے لمبی ٹھنڈی سانس بھری اور نڈھال ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

''ابھی سے کیوں مرے جا رہے ہو، ابھی تو پانچ دن ہیں۔''

''یہ بھی مہربانی ہے ملک الموت صاحب کی۔'' شوکت نے غائبانہ ملک الموت کو پولسن پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو ویسے ہی بھوت گناہ گار، ستم رسیدہ جہاں دیدہ آدمی ہوں، یانی کہ کیا معلوم اپنی بخشش بھی ہوتی ہے یا نہیں۔''

''خیر، اس کیلیے تو تم چار دن تک توبہ استغفار وغیرہ کرو، پانچویں دن میرے پاس آجانا اور میرے ہی ساتھ رہنا، میں اس ملک الموت کو سمجھا بجھا کر واپس کر دوں گا۔'' خان نے اسے دلاسا دیا۔

''ہاں دیکھیے نا، ابھی میں نے دنیا دیکھی ہی کتنی ہے، یانی کہ چالیس تو برس ہوئے ہیں خالی دنیا میں آئے ہوئے اور دوسرے تو سالے سو سو برس کے بڈھے ہو کر بھی بے ٹکٹ پڑے ہوئے ہیں۔''

''ہاں ہاں، میں یہ سب انھیں سمجھا دوں گا۔''

''کسے؟''

''ملک الموت کو۔''

''یا اللہ رحم، میرا تو دل ابھی سے گھبرا رہا ہے۔''

''کیوں، پہلے تو بڑی بہادری دکھا رہے تھے تم۔''

''میں سمجھا تھا کوئی چار سو بیسی ہے، مجھے کیا مالوم تھا کہ سچ مچ ملک الموت صاحب نے ہی چٹھی بھیجی ہے۔ اللہ ماف کرے۔''

''اوہو، تم ابھی سے مرے جا رہے ہو۔''

''میں جاتا ہوں، سب کچھ اللہ میاں کے نام کر دوں گا۔ ہائے، مجھے کیا مالوم تھا کہ اِتّی جلدی اپنا نمبر آجائے گا۔'' وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ خان اسے خموشی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ

Akram Allahabadi

باہر نکل گیا تو خان نے اسی وقت رؤف کو بلوالیا۔

''دیکھو، تم سائے کی طرح شوکت صاحب کے پیچھے رہو اور مجھے حالات سے باخبر رکھنا۔'' خان نے رؤف کو ہدایت کی۔ ''اور یہ بھی دیکھنا کہ کوئی ان کی نقل و حرکت کی نگرانی تو نہیں کرتا۔''

''بہتر ہے۔'' رؤف نے یہ کہہ کر سلام کیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ خان نے رسیور اٹھایا اور کنٹرول روم کا نمبر گھمانے لگا۔

''کنٹرول روم، انسپکٹر ڈکشنکر اسپیکنگ۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''میں خان بول رہا ہوں۔''

''یس سر، ابھی تک سارجنٹ بالے کا میسیج نہیں ملا نہ کسی اور ذریعے سے کوئی اطلاع ملی ہے۔''

''خبر آتے ہی مجھے وائرلیس پر کال کیجیے گا، میں آفس سے جا رہا ہوں۔'' خان نے ہدایت کی۔

''او کے سر۔''

رسیور رکھ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ نیچے آکر اس نے ڈیسوزا کو انویسٹی گیشن روم میں آنے کا اشارہ کیا اور سب انسپکٹر سانے کو حکم دیا کہ وہ ڈیوڈ کو حوالات سے نکلوا کر وہیں لے آئے۔

ڈیوڈ کے لائے جانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ خان اور ڈیسوزا کے علاوہ کمرے میں دیوڈ کے ساتھ اور کوئی نہ رہا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ ڈیوڈ کے چہرے کا خوفناک پن جاتا رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا اور نڈھال نظر آتا تھا۔ اسے سامنے کرسی پر بٹھا دیا گیا۔

''دیکھو، تم اگر اب بھی اپنی زبان نہیں کھولو گے تو میں سلوانیا کے قاتل کی حیثیت سے تم پر ایسی چارج شیٹ لگواؤں گا کہ دنیا کا کوئی قانون تمہیں سزائے موت دیے بغیر نہ رہے

گا۔'' خان نے اس سے کہا۔

''میں سچ بتا چکا ہوں کہ نہ تو میں اسے مارنا چاہتا تھا اور نہ ہی میرا اس معاملے سے کوئی تعلق ہے۔''

''میں سلوانیا کے متعلق نہیں، تمہاری چچی مسز پارکر کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' خان نے کہا۔ ''میں معلوم کر چکا ہوں کہ مسز پارکر کی موت ایک سازش کا نتیجہ ہے اور یہ سازش تمہارے ایماء پر کی گئی تھی۔'' خان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''بخدا یہ غلط ہے۔ میں ان سے جھگڑتا ضرور تھا، مگر میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ انھیں میرے مفاد کے لیے راستے سے ہٹا دیا جائے۔''

خان اسے گھورنے لگا۔ ''اچھا، سلوانیا سے تمہاری دوستی کب اور کس طرح ہوئی تھی؟''

''لا بیلا میں۔''

''جھوٹ، تم پہلی بار ریہو دیوں کے قہوہ خانے میں اسے ملے تھے۔'' خان کے یہ کہتے ہی ڈیوڈ اچھل پڑا۔ اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، لیکن پھر اس نے خان کی نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھکا لیا۔

''اس قہوہ گھر کے عقبی حصے میں ایک شاندار شراب خانہ ہے، جہاں شہر کے بڑے بڑے لوگ بھی چھپ کر شراب پینے آتے ہیں۔''

''جی ہاں۔'' اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

''اور اس نے تم سے دوستی کر کے تمہیں لالچ دی تھی؟''

''نہیں نہیں، اس نے مجھے کوئی لالچ نہیں دی۔ وہ صرف میری داشتہ تھی۔''

''جھوٹ۔ تم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ مسز پارکر کے مر جانے پر ان کی لاکھوں کی جائیداد کے تم وارث بنو گے تو اس سے شادی کرو گے۔'' خان نے کہا۔

Akram Allahabadi

"تو...تو کیا اس نے خود بتایا تھا یہ؟"

"یہ جاننا تمہارے لیے ضروری نہیں، ویسے مجھے یہ سب کچھ اس کی ایک قریبی سہیلی سے معلوم ہوا ہے۔" خان نے لہجہ پھر نرم کر کے کہا۔

"میں نے وعدہ کیا تھا اس سے۔" ڈیوڈ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور بخدا میں اپنا وعدہ پورا کرتا۔ مجھے اس سے محبت تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑا۔

"لیکن اسی وقت جب تمہاری چچی زندہ نہ رہتیں۔"

ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور اس کار خیر کے لیے تم نے افلاطون کا سہارا لیا۔"

ڈیوڈ اس جملے پر دوبارہ اس طرح اچھل پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"نہیں نہیں۔" وہ دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے ہلاتے ہوئے بولا۔

"اس نے کہا تھا۔ یہ اسی نے کہا تھا کہ افلاطون ایک ایسا عمل جانتا ہے جس کے ذریعے یہ کسی کی بھی قدرتی موت کو بلائی جا سکتی ہے۔" وہ جذباتی کیفیت میں کہہ گیا۔

"اور تم نے افلاطون سے معاملہ طے کر لیا۔"

"میں نے اس سے صرف چچی کا زائچہ پوچھا تھا۔"

"جھوٹ مت بولو، ورنہ پھانسی کا پھندا میں تمہارے ہی گلے میں ڈلواؤں گا۔"

"چچی نے مجھ سے جھگڑا کیا تھا۔ میں نے غصے میں افلاطون سے اسے بددعا دلوائی تھی...اور...اور افلاطون نے کہا تھا ملک الموت کی طرف سے جواب آیا ہے کہ وہ بہت جلد دنیا سے اٹھائی جائے گی۔"

"کتنے روپے دیے تھے تم نے افلاطون کو؟"

"دس ہزار۔"

"کتنا اور وعدہ تھا؟"

''پچاس ہزار۔''

''افلاطون تم سے کہاں ملے تھے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''سیدھی طرح جواب دو۔'' ڈیسوزا نے اسے ایک طمانچہ مارا اور ڈیوڈ کا سر چکرا گیا۔

''وہ خود ہی مجھے لے گئی تھی۔''

''کہاں؟''

''میں ایک بند گاڑی میں لیجایا گیا تھا۔اس جگہ کو موت کا گھر کہتے ہیں۔''

''اور وہاں افلاطون سے ملے تھے؟''

''نہیں، مجھے... مجھے وہاں ایک لمبوترے چہرے والا لمبا سا آدمی ملا تھا۔'' اس نے بتایا، جس پر خان ڈیسوزا کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم نے پہلے تو انکار کیا تھا کہ تم ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتے؟'' ڈیسوزا نے اس سے پوچھا، جس پر ڈیوڈ نے پھر سر جھکا لیا۔

''پھر کیا ہوا؟'' خان نے پوچھا۔

''اس نے بتایا کہ افلاطون ایک بدروح ہے جو تاریکی میں رہتی ہے۔تم اسے آواز دے کر اپنا مدعا بیان کرو اور جب اس کا جوب مل جائے تو روپے وہیں رکھ کر چلے آنا۔''

''اور تم نے یہ نہیں سوچا کہ کسی بدروح کو روپیوں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟''

''وہ کہتے تھے کہ ہر ناجائز دولت میں بدروحوں کا حصہ ہوا کرتا ہے۔''

''خوب۔'' خان مسکرایا۔''اور تم نے اسے تسلیم کر لیا؟''

''غرض میری تھی، لیکن جس جگہ مجھے لے جایا گیا وہ بے چھت کا ایک ویران کھنڈر تھا، تاریک اور بھیانک۔میں نے وہاں جیسے ہی سیڑھیوں پر قدم رکھا، افلاطون، یعنی وہ بدروح خود مجھ سے مخاطب ہو گئی۔میں نے اپنا مدعا بیان کیا اور اس نے بد دعا دی کہ میری چچی اس دن

سے دس دن کے اندر مر جائے۔ میں نے اس کا نذرانہ تاریکی میں ہاتھوں سے کھسکایا اور مجھے واقعی میرا رکھا ہوا بیگ آپ سے آپ تاریکی میں کھسکتا ہوا معلوم ہوا۔ ڈر کے مارے میں باہر نکل آیا۔ اس کے بعد مجھے نہ جانے کیوں یہ اعتقاد سا ہو گیا تھا کہ میں اس بدروح سے کسی کو بھی بددعا دلا سکتا ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر رک گیا۔

''تو پھر سلوانیا کو بھی بددعا ہی دلا دی ہوتی۔'' ڈیسوزا بولا۔

''بخدا میں سلوانیا کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔''

''تمہیں وہاں لے کون گیا تھا؟''

''وہ آدمی جنھیں میں نہیں جانتا۔ اس کا انتظام سلوانیا نے ہی کرایا تھا۔''

''معاملہ کس سے طے ہوا تھا؟''

''سلوانیا نے ہی طے کرایا تھا۔ میں اس آدمی کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن میرا خیال ہے وہ وہی لمبوترے چہرے والا رہا ہوگا۔''

''اور تم نے اتنی آسانی سے دس ہزار روپے بھی پیش کر دیے۔''

''سلوانیا کی وجہ سے۔ وہ کہتی تو میں اس سے زیادہ کا بھی کسی طرح کا انتظام کرتا۔''

''خیر، تمہارا بیان سرِ دست ریکارڈ کر لیا گیا ہے، لیکن اگر اس میں کوئی بات بھی غلط نکلی تو تمہیں بُرے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔''

''میں نے بالکل سچ کہا ہے۔''

خان نے اسی وقت گھنٹی بجا دی۔ دروازہ کھلا اور سب انسپکٹر سانے اندر آ پہنچا۔

''لے جاؤ انھیں، ابھی کسی سختی کی ضرورت نہیں ہے۔'' خان نے اسے ہدایات کی اور سانے اسے لے کر چلا گیا۔

''یہ سب حالات اچانک کیسے معلوم ہو گئے آپ کو؟''

''مجھے سلوانیا کی لاش دیکھ کر ہی شبہ ہوا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ بڑی

مشکل سے مجھے یاد آیا کہ ایک بار یہودیوں کے قہوہ خانے پر چھاپا مارنے میں یہ لڑکی وہاں دیکھی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے ایک شرابی کے میک اپ میں اس کی تحقیق کی۔ بڑی مشکل سے مجھے اس کی ایک یہودن سہیلی کا پتا چلا جو اس کی رازدار تھی اور اس سے میں نے یہ بات اگلوالی کہ سلوانیا دراصل کسی نامعلوم آدمی کے دباؤ کا شکار تھی اور اس کی ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ اس نے اپنی سہیلی سے قسم لی تھی کہ وہ کسی تذکرہ نہ کریگی، ورنہ سلوانیا کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ لوگ جسے چاہتے ہیں، مار ڈالتے ہیں۔"

"تو آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ آدمی افلاطون ہی ہوگا؟"

"میں نے اندازے پر تیر مارا تھا۔ اور سلوانیا بڑی چالاکی سے ڈیوڈ کو پھنسانے کیلیے بالے سے اس کا ذکر بھی اس انداز سے کر چکی تھی جیسے خود ڈیوڈ ہی اتنے خطرناک آدمیوں کا گرو گھنٹال ہو، لیکن غالباً بالے کے ساتھ اسے اس کے گھر تک آتے دیکھ کر ہی افشائے راز کے شبے میں خود اسی افلاطون کے دراز قد آدمی نے اس کا خون کر دیا۔" خان نے بتایا۔

"اس سلسلے کا انجام بھی جلد دیکھ لوگے۔ ان گیدڑ کے بچوں نے شوکت کو بھی موت کی دھمکی دے کر دراصل ہمیں اس کی طرف الجھائے رکھنے کی چال کھیلی ہے۔ انھیں کسی طرح ضرور یہ شبہ ہوگیا ہے کہ پولیس ان کی راہ پر یا تو پڑ گئی ہے یا پڑنے والی ہے۔"

"تو یہ افلاطون وہ لمبے قدموں والا آدمی نہیں ہے؟"

"اس کے بیان سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ افلاطون اپنے آدمیوں کے سامنے کبھی نہیں آتا۔ ممکن ہے وہ اندھیرے میں ہی سب کو احکامات دیتا ہو اور کوئی اس سے واقف نہ ہو۔" خان نے بتایا۔

"اب آپ کیا کرنے والے ہیں؟" ڈیسوزا نے پوچھا۔

"میں شوکت کی تاریخ کا انتظار کرنے والا نہیں اور وہ غالباً اسی بھروسے میں رہیں گے۔ اس سلسلے کی کئی کڑیاں تو مل چکی ہیں، میرا اصل کام آج سے شروع ہو جائے گا۔"

''بالے کا ابھی تک پتا نہیں۔''

''اس کیلیے میں خود پریشان ہوں۔کہیں وہ بھی ان کے چکر میں نہ پڑ گیا ہو۔''

''ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ آخر پھر یہ موتیں قدرتی حالات میں کیسے واقع ہوئیں۔''ڈیسوزا نے کہا۔

''کون کہتا ہے؟ اگر وال کے گوداموں میں دانستہ آگ لگائی گئی اور مجھے معلوم ہے کہ اس کا فائدہ اسی آدمی کو پہنچنا ہے جو اس روئی کو خرید نے جا رہا تھا۔میں اتنے دنوں بیکار نہیں بیٹھا ہوں۔تمام تحقیقات میں نے مکمل کر لی ہے۔رام نرائن اگر وال کے گودام کی آتشزدگی سے ایک طرف تو اس کا سب سے بڑا رقیب تباہ ہونے کے علاوہ جان سے بھی گیا اور دوسری طرف اس طرح اچانک مال کی کمی سے اس نے دوگنے منافع پر اپنا اسٹاک بیچا ہے۔''خان نے کہا۔

''بوڑھے پارسی کے مرنے سے اس کے پوتے کو سات لاکھ کی نقدی ملی ہے جو بینک میں جمع تھی۔سلوانیا کا معاملہ سامنے ہی ہے۔اور ان تمام معاملات میں ایک جوتشی انھیں ملتا رہا ہے جس نے ان کے زائچے دیکھ کر ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنی تمام دولت کا نصف اسے دیدیں تو وہ یگیا کر کے انکی موت کو ٹال سکتا ہے۔مسز پارکر کے نوکر کا بیان ہے کہ وہاں بھی ایک ایسا جوتشی آیا تھا،لیکن اس نے ملنا بھی پسند نہ کیا۔اور دوسرے بھی کیونکہ ان خطوط پر پورا یقین نہیں رکھتے تھے،اس لیے اس کا معاملہ کسی سے نہ بنا۔''

''تو یہ ڈبل ایڈوانٹیج کا معاملہ ہے۔''

''جرائم کے نئے نئے سلسلے ایجاد ہونے لگے ہیں آج کل۔''

''ابھی کیا ارادہ ہے آپ کا؟''

''میں سمجھتا ہوں کہ شوکت کے پاس کوئی جوتشی نہیں آئے گا۔اسے محض ہمیں الجھانے کے لیے دھمکی دی گئی ہے،اس لیے صرف ایک ہی صورت ہے۔''

''فرمایے۔''

''اخبارات میں یہ اعلان دیدیجیے کہ ڈیوڈ کو ضمانت پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اس نے سب قبول لیا ہے۔ پولیس بہت جلد اصل مجرموں کو منظرِ عام پر لانے والی ہے۔ اسکے بعد ڈیوڈ کو دو آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑ دیجیے۔'' خان نے ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔'' ڈیسوزا اٹینشن ہوگیا اور خان کا اشارہ سمجھ کر باہر نکل آیا۔ خان نے بھی کیپ سنبھالی اور باہر نکل کر اپنی کار میں جا بیٹھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سنسنی

نگر پولیس ہیڈ کوارٹر سے باہر سارے شہر میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔اس لیے کہ آج کے اخبارات نے ملک الموت کے خطوط والی ان وارداتو کو اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر بہت خوفناک اور پراسرار بنا کر پیش کیا تھا، جن پر ہر جگہ چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور لوگ خوفزدہ ہو رہے تھے کہ اس طرح تو نہ جانے کب کس کی چٹھی آجائے۔اور یہ سنسنی اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئی جب اسی شام کو ایک اور کیس پکڑا گیا، یہ بالکل ویسا ہی تھا۔

اخبارات میں خبریں پڑھ کر اس گجراتی نے، جو ایک سنیما کا مالک تھا، بتایا اسے بھی ایسی چٹھی آئی ہوئی ہے اور کہ اس کے حساب سے اس کی موت آج ہی واقع ہو جانی چاہیے، لیکن جب وہ گھبرا کر اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن پر پہنچا تو انسپکٹر انچارج نے اس کا مذاق اڑا کر بس اس کی تسلی کیلیے دو سپاہی اس کی حفاظت کیلیے بھیج دیے۔اسکے باوجود اس کی موت واقع ہو گئی۔اس کیلیے دن کے وقت ہی حادثے کی مدت مقرر کی گئی تھی۔اور اسی ڈر سے وہ شام تک کیلیے اپنے آفس میں چھپ کر بیٹھا تھا، لیکن ٹھیک پانچ بجے اچانک فلم کے ڈبوں میں آگ لگ گئی اور اتنی تیز لگی کہ گھبراہٹ میں وہ اندر سے بند دروازہ بھی نہ کھول سکا اور وہیں جل کر مر گیا۔

خان طلاع ملتے ہی جائے وقوع پر جا پہنچا اور وہ صرف اسی قدر معلوم کر پایا کہ یہ آگ بجلی کے تار کے شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی تھی۔مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ایسا کیوں اور کیسے ہوا۔دفتر سے باہر صرف ایک چپڑاسی بیٹھتا تھا اور وہ کسی شبے کے لائق نہ تھا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ اس واقع کا اہتمام پہلے سے کیا جا چکا تھا۔دفتر میں پنکھا نہ تھا، ایرکنڈیشنڈ لگا تھا اور اس کا تعلق براہِ راست دوسری لائن سے تھا۔یہ آگ برقی روشنی کی وجہ سے لگی تھی، جس کی ضرورت دن میں نہیں پڑی تھی۔

اس واقع نے جہاں ایک طرف لوگوں کو خوفزدہ کردیا، وہاں خان پر بھی جھنجلاہٹ سوار ہوگئی۔ زود یقین اور وہم پرست لوگوں میں تو ان ہی وارداتوں نے سورنگ اختیار کر لیے۔ کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ، لیکن اخبارات نے جس طرح ان پر قیاس آرائی کی تھی اس سے لوگوں میں خوف و ہراس ضرور پھیل گیا تھا۔ بالے کا ابھی تک کچھ پتا نہ تھا اور پولیس کمشنر کی طرف سے خان کو تین بار تاکید مل چکی تھی کہ ان واقعات کا جلد از جلد سراغ لگایا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

بالے کی جب آنکھ کھلی تو وہ بچوں کی طرح ہاتھ پیر مارنے لگا، حالانکہ اس وقت وہ میگی کے ساتھ ایک کمرے میں بند تھا۔ کوئی اور اسے اس طرح ہوا میں اگر زمین پر ہاتھ پیر چلاتے دیکھتا تو شاید اپنی ہنسی نہ روک سکتا، لیکن وہ تو بالکل سنجیدہ تھا۔ پھر اسے میگی ایسی معلوم ہوئی جیسے کوئی بوڑھی جادوگرنی اپنی چٹائی پر اڑ کر آئی ہو۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''نانی اماں، تمہاری ڈاڑھی میں تنکا۔''

میگی نے پہلے تو اپنی ڈاڑھی دیکھی، پھر غور سے بالے کے چہرے کو دیکھ کر اس کے ابرو کے بال نوچنے لگی۔ بال نوچتی جاتی اور کہتی جاتی۔ ''میرے سور، میرے پیارے، میرے اخروٹ... ارے میں تم پر قربان جاؤں۔ تمہیں افریقہ سے کون پکڑ لایا یہاں؟ دیکھو تمہاری دم بھی جھڑ گئی ہے۔''

''ہائے، کیسے خوبصورت جانور تھے تم۔''

جواب میں بالے اس پر بھوں بھوں کرنے لگا اور وہ کسی خوفزدہ کتیا کی طرح، 'کوں کوں...' کرتی ہوئی سمٹ گئی۔ ''ڈارلنگ۔'' بالے نے دانت نکال کر کہا۔

''شی...'' میگی نے بڑے ناز سے ہاتھ جھٹک کر اسے آنکھیں دکھائیں۔

''تم پچھلے سوموار کو پیدا ہوئی تھیں نا؟''

''میاؤں۔''

''ہائے، میں تو پیدا ہوتے ہوتے ہی رہ گیا۔''

''تو اب پیدا ہو جاؤ۔''

''ہشت...، اب تو لیٹ فی بھرنی پڑے گی۔ اچھا اگلے سال پیدا ہونے کی کوشش کریں گے۔''

''چلغوزے۔''

''ہوں...''

''کشمش...''

''ہوں...''

''سمرقند و بخارا۔''

''پھُس۔'' وہ اس کے سینے پر دو ہتھڑ مار کر ہنس پڑی۔

''پھُس پھُس۔'' بالے نے بھی پھنکارا۔

''خیاؤں خیاؤں...''

''غررر...''

اچانک دروازہ کھلا اور کریہہ المنظر بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا۔

''سلامتی ہو، تم پر میرے پیارے بچو۔''

''ہشت، ہمارا کوئی باپ نہیں ہے۔'' بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''میں ایک ہزار سال سے تمہارا باپ ہوں، مجھے پہچانو، میں نے تمہیں چنے کے پیڑ سے برآمد کیا تھا۔ یاد ہے جب آسمان سے گدھے برسے تھے، تم نے مجھے پکارا تھا، باؤں... ہاں... ہیں...

اور وہ حلق سے بیل جیسی آوازیں نکالنے لگا۔ بالے اور میگی اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اچانک بالے زور سے اچھل کر اس بوڑھے پر

جاگرا اور اس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھا۔

''اب کہاں جائے گا بھاگ کے؟ حرام کی گھاس تھوڑی کھلاتا ہوں سالے۔ کپڑے گھاٹ پر پھینک کر چلتا بنا تھا۔'' یہ کہہ کر بالے نے اس کی پیٹھ پر گھونسے مارنے شروع کر دیے۔

''ارے ارے، میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہے ابھی۔ پہلے کھلاؤ، پھر مارو۔'' بوڑھے نے احتجاج کیا۔

''ہاں، ٹھیک تو بولتا ہے۔'' میگی نے تائید کی۔

''اچھا۔'' بالے اس کی پیٹھ پر سے اتر گیا اور اپنا جوتا اتار کر اس کے منہ میں گھسیڑنے لگا۔ ''لے کھا، پیٹ بھر کے کھا۔''

''تم قطعی غیر سوشل ایلیمنٹ ہو، میں تمہیں آخ تھو کرتا ہوں۔''

''آخ تھو۔'' بالے نے زمین پر تھوک دیا۔

''آخ تھو۔'' میگی نے بھی تقلید کی۔

اس وقت دروازہ پھر کھلا اور دو آدمی جن کے چہروں پر سفید نقاب تھے، اندر داخل ہوئے۔ ''قطب مینار کا پیغام آیا ہے۔'' ایک نے اس بوڑھے پاگل سے کہا۔

''تو ڈوب مرو جا کے۔''

''مچھلی جال کی طرف آ رہی ہے۔''

''ارے تو لاؤ نا، میں کتنے دنوں سے بھوکا ہوں۔ دیکھو نا میرا پیٹ پیٹھ سے لگ گیا ہے۔''

''بہت جلد حاضر کیا جائے گا۔''

''ارے جاؤ، تم لوگ ہمیشہ یونہی بکتے ہو، میں تو ایک دن تمہارے کباب بنا کے کھانے والا ہوں۔'' نہ جانے کیوں، اس جملے پر ان دونوں کے چہرے فق ہو گئے۔ وہ سر جھکائے جلدی سے باہر نکل گئے۔

Akram Allahabadi

''دیکھا تم نے، مجھے ہوا کھلانے آئے تھے کمبخت۔تنخواہ مانگنے کے لیے کہتے ہیں۔ مچھلی پکڑ کے لائیں گے، کچھوے بھی نہیں پھنسے۔'' وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اچھا، جب دسترخوان بچھے گا تو میں تم دونوں کو بھی پلیٹ میں رکھ لوں گا۔''

''آں...نا نا...'' اس نے ہاتھ ہلایا۔

''نا نا۔'' بالے نے جلدی سے کہا۔

''ٹی ٹی۔'' میگی بھی دانت دکھا کر بولی۔

''ٹوٹو...'' بالے نے پھر کہا، مگر وہ باہر جا چکا تھا۔

کمرے کا دروازہ بند ہونے والا تھا کہ بالے خود بھی باہر نکل پڑا۔میگی بھی آنے لگی، تو اس نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

''تم اپنے گھونسلے میں انڈے دو، تم کہاں چلیں۔میں مونگ کی دال لاتا ہوں، دونوں کھچڑی پکائیں گے۔''

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور راہداری میں کمر پر ہاتھ رکھ کر ناچتا ہوا چلنے لگا۔ وہ گاتا بھی جا رہا تھا۔

جیا بیکراڑ ہے، پہاڑی پہاڑ ہے، کملا نہر و پارک ہے، جنگل ہے نہ جھاڑ ہے، رائی کا پہاڑ ہے، پھڑ بھونجے کا بھاڑ ہے، کھجور ہے نا تاڑ ہے، آجا مورے الم غلم تیرا انتجار ہے...ہپا ہپا کلوشاہ..'' ناچتا ہوا وہ ہال کے کنارے آ پہنچا، لیکن اتفاق سے اس طرف اس وقت کوئی نہ تھا۔

''ارے سب مر گئے۔'' اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔پھر اسی طرح اچھلتا ناچتا سامنے کی طرف ایک بھیڑے گئے دروازے کو کھول کر اندر گھس گیا۔اس دروازے کے دوسری طرف سے کچھ آوازیں سنائی دی تھیں۔یہاں تاریکی میں مدھم روشنی کا بلب نظر آ رہا تھا۔یہ ایک تنگ راہداری تھی اور پھر وہ آگے بڑھتی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

ویران کھنڈر

خان کی کار کافی فاصلے پر تھی۔اس وقت وہ اپنی ذاتی کار میں نہیں آیا تھا۔یہ کار اس نے ایک دوست کے گیرج سے مستعار لے لی تھی۔اس کے ساتھ اس وقت ڈیسوزا ایک پارسی کے میک اپ میں تھا اور خود خان نے ایک بوڑھے جوہری کا میک اپ کر رکھا تھا۔

ان کی کار سے تقریباً نصف فرلانگ آگے ڈیوڈ کی ٹوسیٹر جا رہی تھی۔اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک دوسری کار اس کا پیچھا کر رہی تھی۔خان نے پہلے سے گاڑیاں بدلنے کا انتظام کر رکھا تھا۔اور وائرلیس پر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیتا جاتا۔دور سے شکلوں کا دیکھنا تو بہت مشکل تھا، لیکن گاڑی پہچانی جا سکتی تھی۔اسے یہ احتیاط اس لیے کرنی پڑی تھی کہ ڈیوڈ کی نگرانی چند افراد بڑی چالاکی سے کر رہے تھے۔بہرحال اس وقت اس میک اپ میں خان انھیں ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا، پھر بھی انھوں نے ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔

شاید ڈیوڈ بھی دن بھر کی آزادی کے بعد بے فکر ہو گیا تھا، لیکن اچانک اسے ایک سونی نیم تاریک سڑک پر کار روکنی پڑی۔اس کے سامنے ہی ایک گلی سے ایک کار نے نکل کر راستہ روک دی تھا۔اتنے میں دوسری کار بھی اس کے قریب پہنچ گئی۔خان نے اپنی کار سست کر دی۔پچھلی کار سے دو آدمی اتر کر ڈیوڈ کی کار کی طرف دوڑے اور راہ میں حائل ہونے والی کار سے ایک رائفل کی نالی ڈیوڈ کی طرف جھانک رہی تھی۔

''نیچے اتر آؤ۔'' ان دو آدمیوں نے ڈیوڈ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''کیوں؟ کیا کام ہے مجھ سے؟'' ڈیوڈ نے کہا۔

''دیکھو وہ رائفل تمہاری طرف جھانک رہی ہے، ذرا بھی گڑبڑ کی تو کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔'' ان میں سے ایک نے اشارہ کر کے کہا۔ڈیوڈ چپ چاپ نیچے اتر آیا۔وہ

اسے سامنے والی کار کی طرف لے چلے۔اس کا دروازہ کھول دیا گیا۔ٹھیک اسی وقت خان کی کار ان کے قریب سے گزرنے لگی۔ان دو آدمیوں نے ان کی بھی کار روک لی۔

"اے، واپس لے جاؤ گاڑی اپنی۔" ان میں سے ایک نے انھیں پستول دکھا کر کہا۔

"بھائی، تم ہم کو کاہے کو ایسا کرتا، ہم نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔" خان نے بوہریوں جیسے لہجے میں خوفزدہ ہو کر کہا۔

"جاتے ہو یا تمھیں ٹھنڈا کر دیں یہیں؟"

"جاؤں چھو، دادا، جاؤں چھو۔" ڈیسوزا جلدی سے بول پڑا۔

"کیا بیوقوفی ہے یہ، یہ لوگ پولیس کو خبر کر دیں تو؟" دوسرے نے پہلے کو متوجہ کیا۔

"تو پھر انھیں یہیں ٹھکانے لگا دیا جائے۔سڑک بھی سونی ہے۔" پہلا بولا۔

"اے نا ئیں دادا، تم بھروسا رکھو، ہم کسو سے نا ئیں کہینگے۔ہم کو جانے دو۔" خان اس کے ہاتھ جوڑنے لگا۔اتنے میں وہ کار ڈیوڈ کو لے کر روانہ ہو گئی۔

"چلو، نیچے اترو۔" ان میں سے ایک نے بڑے رعب کے ساتھ ڈیسوزا کو ڈانٹا۔

"یا وُ جی یا وُ جی۔" ڈیسوزا دروازہ کھولنے لگا۔

خان اور وہ دونوں نیچے اتر آئے۔

"مارنا بیکار ہے، انھیں باندھ کر گاڑی سے کچل ڈالو۔"

"لو، باندھ لیو۔" خان نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے، لیکن دوسرے لمحے اس کے دو ہتھوڑے نے اس آدمی کو اس طرح ڈھیر کیا کہ وہ اٹھ ہی نہ سکا اور ڈیسوزا کا ایک ہی بھرپور طمانچہ دوسرے کیلیے کافی ہو گیا۔ٹھیک اسی وقت پیچھے سے ایک پولیس کار آ پہنچی۔انسپکٹر اتر کر خان کے سامنے اٹینشن ہو گیا۔

"ان دونوں کو لیجاؤ۔" خان نے حکم دیا۔اور جلدی سے کار میں بیٹھ گیا۔ڈیسوزا بھی

Akram Allahabadi

کار میں سوار ہو گیا۔ اور وہ اس کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ کار زیادہ دور نہیں گئی تھی۔ اس سڑک کے بعد دوسری مضافاتی مین روڈ تھی۔ دور سے ہی اس کار کو انھوں نے دوڑتے دیکھ لیا۔ خان نے کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں اور کار کا انجن بھی بہت خفیف آواز کر رہا تھا۔

ایک جگہ پہنچ کر اگلی کار ایک ڈھلوان پر سے اترنے لگی۔ خان نے بھی اپنی گاڑی کا انجن بند کر دیا۔ ویسے بھی جب اس کی کار قریب پہنچنے لگتی تھی، تو وہ کار کا انجن بند کر دیتا تھا تا کہ آواز ہی نہ ہو۔

کار ایک پرانے سے بڑے گودام کی پاس پہنچ کر رک گئی۔ یہ جگہ غیر آباد معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تاریکی کا راج تھا اور چاروں طرف سے اس مقام کو قد آور درختوں نے گھیر رکھا تھا۔ اگلی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی بجھ گئی۔ پھر جلی پھر بجھ گئی اور تیسری بار جل کر چند سیکنڈ بعد بجھی۔ جس کے جواب میں اس عمارت سے اوپر ایک مدھم بلب روشن ہو گیا۔ کار اس کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ خان نے گاڑی وہیں روک لی اور پاکٹ ٹرانسمیشن سسٹم پر کال نشر کرنے لگا۔

''اٹینشن پٹرولنگ پولیس، ایس کے کالنگ۔''

''اٹنڈنگ سر۔ پٹرول ہائی وے ۳۱، آر ڈرز۔''

''کتنے آدمی ہیں؟''

''ایک آفیسر تین سپاہی۔''

''ڈیلاواڑی کی گھاٹی کی طرف پرائیوٹ تھا رو فیئر ۹، جلدی پہنچو۔''

''او کے سر۔'' ادھر سے جواب ملا۔

خان پھر کال کرنے لگا۔

''اٹینشن پٹرول پولیس ساؤتھ ڈویژن جی (G)۔''

کچھ دیر بعد بہت ہی مدھم آواز سنائی دی۔

''اٹنڈنگ سر۔جی ڈویژن پی پی ساؤتھ تھری۔''

''کتنے آدمی ہیں؟''

''دو آفیسر تین سپاہی۔''

''ڈیلاواڑی کی گھاٹی کی طرف، پرائیوٹ تھاروفیئر ۹، جلدی پہنچیے۔''

''کمنگ، سر۔''

خان نے سیٹ آف کردیا۔

''کافی ہونگے اتنے آدمی۔''وہ ڈیسوزا سے بولا۔

''آپ خود پانچ دس سے کم ہیں کیا۔''ڈیسوزا نے مسکرا کر کہا۔

وہ اب پیدل ان جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے، جن کی اوٹ میں وہ شیڈ تھا۔ اور قریب پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ اندر کچھ دور ایک ویران ٹیلے پر ایک بے نور چھوٹی سی عمارت کے آثار بھی نظر آرہے ہیں۔

''اوہ، یہ تو وہی ہانٹڈ (Haunted) ہاؤس ہے جو اس علاقے میں مشہور ہے۔''

خان نے ڈیسوزا سے کہا۔

''اچھا اڈا بنایا ہے کمبختوں نے۔''

''اب کی بار میں کمشنر صاحب سے کہہ کر اس جگہ ایک پولیس چوکی قائم کراؤں گا۔''

احاطے میں داخل ہوتے ہی انھیں اس گودام سے دو انسانی سائے نکلتے نظر آئے۔ ان میں سے ایک یقیناً ڈیوڈ تھا، جس کی چال بتا رہی تھی۔

''میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں، آپ پولیس فورس کے آتے ہی چھاپا مار دیجیے، جو

ملے گرفتار کیجیے۔'' خان نے ڈیسوزا کو ہدایت کی۔

''بہتر ہے، لیکن اگر آپ کسی مصیبت میں پھنسے تو؟''

''اس کی فکر نہ کرو، البتہ زیادہ دیر ہو تو میری طرف آنا، یا میں سگنل دوں تو۔''

''بہتر ہے۔''

خان نے ایک جست کی اور جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا۔ دو سائے سامنے سے گزر رہے تھے۔ ڈیسوزا نے خود کو زمین پر گرا لیا تھا۔

ان کے آگے جانے کے بعد خان بھی پنجوں کے بل اس ٹیلے کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ دو سائے اس تاریک عمارت کے نزدیک پہنچ گئے۔ پھر ان میں سے ایک باہر ہی رک کر ایک چٹان پر بیٹھ گیا اور ڈیوڈ اکیلا اس عمارت میں داخل ہونے لگا۔ خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ پشت سے اس آدمی کا اچانک منہ بند کرنے کے بعد اس نے جیب سے کلوروفارم کا رومال نکال کر اس کی ناک پر رکھ دیا۔ اسے بیہوش کر کے اسی چٹان کی آڑ میں ڈالنے کے بعد وہ ڈیوڈ کے پیچھے بڑھنے لگا۔

ڈیوڈ نے جیسے ہی اس کی سیڑھیوں پر قدم رکھا، روشنی کی ایک تمتماتی ہوئی لہر اس کے چہرے پر پڑی اور وہ ٹھٹک کر وہیں رہ گیا۔ روشنی فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

''یہاں کیوں آئے ہو؟'' ایک آواز گونجی، جو کافی بھیانک تھی، لیکن تاریکی میں کوئی نظر نہیں آیا۔ کچھ گونج سی ہوئی جو ڈراؤنی تھی اور کہیں سے الو کی آواز بھی سنائی دی۔ ڈیوڈ کا دل کانپ اٹھا۔ یہ منحوس آواز جو تاریک ویران جگہوں میں دلوں کو ہلا دیتی ہے۔

''تم نے پولیس کو اس مقام سے باخبر کیا ہے؟'' وہی آواز پھر سنائی دی۔

''مم... میں نے کچھ نہیں بتایا، میں نے کچھ نہیں بتایا۔ پولیس نے دھوکا دینے کو اعلان کیا ہے۔'' ڈیوڈ کانپتی ہوئی آواز میں چیخا۔

''ہم سے کچھ چھپا نہیں ہے، ہم سب کچھ جانتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''مم...میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''تمہاری سچائی کے ثبوت کیلیے تمہیں ایک موقع دیا جاتا ہے،صرف ایک، ورنہ موت کے ہاتھ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''جاؤ اور کل باقی رقم لے کر یہاں حاضر ہو جاؤ۔تمہارا کام ہو چکا ہے۔اور یاد رکھو کہ ذرا بھی وعدہ خلافی ہوئی تو تم سات پردوں میں بھی چھپ کر جیتے نہیں رہ سکتے۔''

''بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر ڈیوڈ ہٹ ہی رہا تھا کہ خان کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور وہ نیچے کی طرف لڑھک گیا۔خان نے جیب سے ٹارچ نکال ہی لی تھی،مگر جب اس نے ٹارچ کی روشنی کھنڈر میں ڈالی تو وہ ویران پڑا تھا۔تاریکی کی آواز تاریکی میں دفن ہو کر رہ گئی تھی۔

اسی وقت نیچے گولیاں چلنے کی آواز آنے لگی۔شاید ڈیسوزا نے چھاپا مار دیا تھا۔خان اس طرف سے بے نیاز ہو کر کھنڈر کی تلاشی لینے لگا،لیکن وہ حیران رہ گیا، جب اسے وہاں کچھ نہ ملا۔

وہ کھنڈر سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی کار کے انجن کے اسٹارٹ ہونے کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس نے پشت کی طرف جھانک کر دیکھا،نشیب میں ایک ٹرک اسٹارٹ ہو کر روانہ ہو رہا تھا۔وہ بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا پشت کی طرف اترنے لگا۔ٹرک روانہ ہو گیا،لیکن جانے والے ایک چیز چھوڑ گئے۔ایک موٹا سا تار جو یقیناً اس ٹرک سے منسلک رہا ہوگا اور جلدی میں اسے کاٹ دیا گیا تھا۔

اور جب وہ اس تار کو پکڑتا ہوا اوپر تک آیا تو وہ اسے کھنڈر میں داخل ہو کر پتھروں کے ڈھیر میں دبا ہوا ملا۔اس کا دوسرا سرا ایک میگا فون سے منسلک تھا، جو ان پتھروں میں چھپا ہوا تھا۔اس نے تار اور میگا فون لپٹ کر ہاتھ میں لے لیا اور تیزی سے دوڑتا ہوا ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔اس وقت تک ڈیسوزا ان آدمیوں کو گرفتار کر چکا تھا، جو اس شیڈ میں چھپے پولیس پر فائرنگ

کر رہے تھے۔ یہ شیڈ اندر سے خالی تھا، حالانکہ باہر اس پر واگا ٹائلز کے بڑے بڑے حروف لکھے ہوئے تھے۔

''آپ انھیں لے کر چلیے، میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان باہر کار کی طرف دوڑا اور اکیلا ہی اس میں سوار ہو کر اسے پلٹا کر لے دوڑا۔

اسے اندازہ تھا کہ وہ سڑک عقبی کچی سڑک سے کہاں نکلے گی۔ اس کیلیے اسے دو میل کا چکر لینا پڑا اور گاڑی کی رفتار بھی خطرناک حد تک رکھنی پڑی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پاگل بوڑھا

جس وقت اس کی کار ڈنگر گاؤں کراس روڈ کے نزدیک پہنچی، وہ ٹرک آگے نکل چکا تھا۔خان نے ہیڈ لائٹس بند کر کے کار اس کے پیچھے چھوڑ دی۔شہر کے باہر ہی باہر یہ تعاقب جاری رہا اور جب نصف گھنٹے کے بعد وہ ٹرک زیر تعمیر قاضی کالونی میں داخل ہونے لگی تو خان نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔

ٹرک والوں کو شاید اس تعاقب کا احساس نہ تھا اور ویسے بھی یہاں زیر تعمیر عمارتوں کی آڑ پڑ رہی تھی۔اندھیرا ہونے کی وجہ سے خان کی کار نظر بھی نہ آسکتی تھی۔بالآخر ٹرک اسی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا، جہاں بالے پہنچا تھا۔خان کار روک کر پیدل ہولیا۔ٹرک سے اتر کر تین آدمی تیزی سے اس عمارت میں داخل ہوگئے۔خان کریم کی جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا پورٹیکو کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ اسے اندر سے جو آواز سنائی دی، اس نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔آواز بالے کی تھی۔

''اٹینشن۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ارے ارے، ہاتھ واتھ مت اٹھانا، جان منی، چٹنی بن جائیگی ابھی تیری۔''

جواب کچھ بھی سنائی نہ دیا۔خان پورٹیکو میں داخل ہو کر اندرونی ہال کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اسے اندر کا نقشہ نظر آ گیا۔

بالے دو آدمیوں کو کور کیے ہوئے تھا۔اس کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔

''بم بم بم بم باجے لنگڑو...ناچ بچا مور بیٹا ناچ ذرا بھئی ناچ ذرا بھئی ناچ۔'' پھر وہ رک کر انھیں دیکھنے لگا۔''ارے، ناچتے نہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ان میں سے ایک کے پیروں پر فائر کر دیا۔اور مجبوراً ان دونوں کو ناچنا پڑا۔

"ارے، یوں نہیں، ذرا تالیاں بھی بجاؤ نا۔ہاں، ذرا...کھائیں ہم گالیاں، بجا بجا کر تالیاں، ابے ناچو، سالو ناچو...یہ لو...آپ کیوں کھڑے ہیں، ڈیوٹ۔ میں قبیلے کا سردار ناچ رہا ہوں اور آپ کے نخرے۔"

دوسرے کے پیروں کے نزدیک اچٹتی گولی پڑتے ہی وہ بھی ناچنے لگا اور بالے تو اچھل اچھل کر ناچ ہی رہا تھا۔خان نے رومال منہ پر رکھ لیا۔

"چلو بس کرو، سارجنٹ۔" ایک آواز سنائی دی۔اور ان دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔آواز وہی تھی جو خان نے ان کھنڈروں میں سنی تھی۔آواز اوپر کی سمت سے آئی تھی، مگر خان چونک پڑا، جب اس نے داہنی سمت کے ایک دروازے سے اسی دراز قد لمبوترے چہرے والے کو نکلتے دیکھا، جس کی اسے تلاش تھی۔اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور بالے کی پشت اس کی طرف تھی۔

"رائفل پھینک دو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"ارے واہ، تم کون ہوتے ہو پھنکوانے والے۔ یہ میرا قبیلہ ہے، کیوں بے اخروٹو؟" بالے نے ان دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ پاگل نہیں ہے، باس۔" دراز قد آدمی چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ابے کون پاگل۔پاگل تو تیرا باپ اور اس کا بھی باپ۔" بالے بگڑ کر اسے مارنے دوڑا، لیکن پلٹتے ہی وہ دونوں آدمی اس پر جھپٹ پڑے۔بالے کی ایک لات نے ایک کا منہ توڑ دیا، مگر دوسرا اس کی کمر پکڑ کر جھول گیا، بالے کے ہاتھ سے رائفل گر پڑی۔

"بس کرو۔جھگڑے کی ضرورت نہیں۔" لمبے آدمی نے انھیں حکم دیا۔وہ رک گئے۔ اس نے بالے کو پستول کے نشانے پر رکھ لیا۔

"کیا حکم ہے، باس۔" اس نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ختم کردو۔" اوپر سے حکم ملا۔

Akram Allahabadi

لیکن جیسے ہی اس نے ٹرائیگر پر اپنی انگلی رکھی، خان کے ریوالور سے ایک فائر ہوا اور لمبے آدمی کا ہاتھ جھول گیا۔ وہ دونوں پستول نکالنا ہی چاہتے تھے کہ بالے نے ان کی گردنیں اپنی بغلوں میں داب لیں۔ لمبا آدمی شدت درد سے دہرا ہونے لگا۔

''رہنے دو، سارجنٹ، ورنہ میری گولی یہیں سے تمہارا خاتمہ کردے گی۔'' اوپر سے آواز آئی۔

''وہ کب کا کر چکی تھی، مگر تمہارے آدمی میرے ہاتھ میں ہیں۔'' بالے نے نیچے سے کہا۔

''اچھا تو لو۔'' اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے فائر ہوا، مگر بالے بڑی پھرتی سے ان دونوں کی گردنیں دبائے زمین پر گر پڑا۔ گولی ان میں سے ایک کے لگی اور وہ چیخ کر رہ گیا۔ بالے نے اسے چھوڑ کر دوسرے کو اپنی ڈھال بنالیا۔

ٹھیک اسی وقت دروازے کی طرف سے ایک فائر ہوا اور دوسرے لمحے اوپر چھت کی بالکونی میں کسی کے گرنے کی آواز آئی، ساتھ ہی کسی کے دوڑنے کی چاپ۔

خان اوپر جانے کا زینہ تلاش کرنے لگا، لیکن اسے معلوم نہ تھا۔ وہ جب ہال میں داخل ہوا تو بالے دوسرے آدمی کی گردن بغل میں دبائے پھرنا چنے لگا۔

''میں تو جانتا تھا۔ میں تو جانتا تھا۔ آپ آئیں گے، لڈو پیڑا لائینگے۔''

''یہ کیا حرکت ہے؟'' خان نے اسے ڈانٹا۔

''میں ...مم ... میں پاگل ہوں، میڈم، میں پاگل ... ارے، آئی ایم ساری، صاحب۔ میں پاگل ہوں...اوں...اوں...آوانہہ...''

''اوپر کا راستہ کہاں ہے؟''

''جہاں حرکتِ قلب بند ہوتی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اس آدمی کو ایک گھونسے میں بیہوش کر کے پھرنا چنے لگا۔

Akram Allahabadi

''ابے گھن چکر۔''خان نے اس کی گردن تھام لی۔

''چلیے۔''

لیکن وہ دو قدم بھی نہ بڑھے تھے کہ ایک سمت کا دروازہ زور سے کھلا اور وہی کریہہ المنظر بوڑھا اندر آ گرا۔ پھر وہ اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھنے لگا۔

''ارے ہائے، میری دو ہی ٹانگیں رہ گئیں۔ کمبخت میری بکری بھی لے بھاگے۔ ارے کوئی پکڑو نا ان چماروں کو۔''پھر اسکی نظر بالے پر پڑ گئی۔ بالے اسے دیکھتے ہی پھر ناچنے لگا اور اس نے بھی ناچنا شروع کر دیا۔

''طاق دنا دن طاق دنا دن۔''بالے تالی بھی بجانے لگا۔

''اور بخت ایک بھی نہیں۔''

''ساری دنیا ناچ رہی ہے، تم بھی ناچو۔''بوڑھا گانے لگا۔

''ناچ رے بندر، مست قلندر، مست قلندر۔ آدھے باہر آدھے اندر۔''اور ناچتے ناچتے جیسے ہی وہ دروازے کے نزدیک پہنچا، خان نے دانستہ اس کی ٹانگ اڑا دی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔

''کیا حرکت ہے یہ؟''وہ ایک دم بگڑ گیا۔ اس کی آواز سنتے ہی خان مسکرا دیا۔

''یہ وہی حرکت ہے، مائی ڈیئر افلاطون۔''خان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اس میں ہتھکڑی ڈال دی۔

''ارے مگر یہ تو پاگل نمبر ایک...''بالے نے کہنا چاہا۔

''اسی لیے یہ دو بار میری نظروں سے چھوٹ چکا تھا۔''خان نے کہا۔

''تو تم پاگل نہیں ہوئے؟''بوڑھا خان کو بھول کر بالے سے پوچھنے لگا۔

''میں تو پہلے ہی سمجھا تھا کہ یہ کوئی خطرناک چکر ہے، بڑے میاں۔ یہ دیکھو، میرے دونوں بازوؤں پر ربڑ پیڈ ہیں، تم اور دو چار انجکشن دے سکتے ہو۔ دراصل خان صاحب نہ بھی

آتے تو آج میں تمہاری کھچڑی پکانے والا تھا۔ہائے مونگ کی کھچڑی۔''اور یہ کہہ کر وہ پھر ناچنے لگا۔''چڑا دانا لائے گا، چڑیا دال پکائے گی،نہیں، کھچڑی پکائے گی۔ہائے میری چڑیا،تم کہاں ہو؟''

''تم کو اپنے پاگل پن کے سہارے یہاں سے بڑی آسانی سے نکل گئے ہوتے، لیکن اپنی آواز پر کنٹرول نہ کر سکے، ورنہ میں بھی شاید دھوکا کھا جاتا۔''خان نے بوڑھے سے کہا۔

''آپ بھی ایک بوڑھے آدمی کو ستا رہے ہیں۔''

''نہیں، بالے صاحب۔ان کی آواز نے ہی تو ان کے بوڑھے پن کا پول کھولا ہے۔''

''لو، یہ رہا ان کا وگ۔''خان نے بوڑھے کے سر سے بال نوچ کر بالے کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

''یہ ہیں مسٹر شیلاک۔''خان نے بالے کو بتایا۔

''تو تم جیت ہی گئے۔کاش، مجھے صرف پانچ منٹ اور مل جاتے۔خیر،اب ہم سب ایک ساتھ ہی مریں گے۔''شیلاک نے،جس کا سراب گنجا نظر آرہا تھا،کہا۔

''بالے، یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔اس نے ضرور اس عمارت کو تباہ کرنے کو ٹائم بم لگایا ہوگا۔کیا یہاں اور کوئی آدمی نہیں تھے؟''

خان نے اس سے پوچھا۔اس وقت تک لمبا آدمی شدتِ کرب سے بیہوش ہو چکا تھا۔

''تین کو باندھ کر میں نے اندر پٹکا ہے، تین گدھے یہ سامنے ہیں۔ارے ہاں، میری چڑیا۔میں اس کیلیے مونگ کی دال لانے نکلا تھا۔''یہ کہہ کر وہ تیزی سے اندر کی طرف بھاگا اور ایک منٹ بعد ہی میگی کو لیے آپہنچا۔اس کے لباس کا وہی حال تھا اور وہ اب تک پاگل تھی۔

''وہ تین آدمی؟''

''اب کوئی صورت ممکن نہیں۔ خیر، تم میگی کو باہر چھوڑو۔'' یہ کہہ کر خان شیلاک کو گھسیٹ کر باہر لے چلا۔ وہ چلنے میں بھی ضد کر رہا تھا۔ بالے نے میگی کو دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے لمبے چہرے والے کو کالر سے تھام کر گھسیٹتے ہوئے لے چلا۔ پورٹیکو سے باہر اسے پھینکتے ہوئے اس نے میگی کا ہاتھ بھی خان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور وہ دوڑ کر ان دونوں کو بھی گھسیٹ لایا، لیکن اب وقت نہیں تھا۔

''چلو، جلدی اس عمارت سے دور ہو جاؤ۔ ان تینوں کا اب خدا حافظ ہے، ورنہ ہم خود بھی نہ بچ سکیں گے۔''

ان الفاظ کے سنتے ہی ان میں سے دو آدمی جو مکر سے بیہوش بنے ہوئے تھے، اٹھ کر باہر کی طرف بھاگے۔ پیچھے شیلاک، خان، میگی اور بالے بھی۔

ابھی وہ کمپاؤنڈ میں پہنچے تھے کہ عمارت ایک دھماکے سے اڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ٹل گئی

دوسرے دن آفس میں بالے خان سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ سب تو ہوا، مگر وہ افلاطون کا بچہ کہاں گیا؟''

''اور شیلاک کیا تمہارے فرشتوں کا نام ہے؟''

''تو یعنی یہی پاگل صاحب افلاطون تھے۔''

''یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں اس نے نازیوں کے مخالف سیاسی لیڈروں کو قتل کرنے کیلیے ایک 'شیلاک مرڈر ایجنسی' قائم کی تھی۔ جنگ کے خاتمے پر یہ لاپتا ہوگیا تھا اور خبر آئی تھی کہ یہ ہندوستان آیا ہوا ہے۔ بہرحال اس کی تلاش میں ناکام ہوکر اسے وار آفس نے فہرست سے خارج کردیا تھا، لیکن ان خطوط والے کیسز کے سلسلے میں مجھے رہ رہ کر اسی کے طریقِ کار کا خیال آتا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے یہودیوں کے اڈے پر ہی تلاش کیا تھا، کیونکہ یہ بڑا کٹر یہودی ہے۔ جرمنوں سے تو اس نے دولت کمانے کیلیے سازباز کی تھی۔ مجھے مسز پارکر کی موت کے بعد ہی شدت سے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ کام ایسے ہی آدمی کا ہوسکتا ہے، کیونکہ پہلے بھی یہ ڈبل کراسنگ کرتا تھا۔ کسی کو قتل کرا دیتا، کسی سے سودا کرلیتا۔ یہاں بھی اس نے وہی حرکت کی۔ اور یقین مجھے اس سے ہوا جب مجھے اس جیوتشی کے بارے میں اطلاع ملی، جو آدھی دولت کے عوض موت ٹالنے کے وعدے کرتا پھر رہا تھا۔ مسز پارکر نے جس جیوتشی سے ملنے سے انکار کردیا تھا، وہ شیلاک ہی تھا۔ کیونکہ اس سوار کے ایک ہاتھ کی ایک انگلی کٹی ہوئی ہے اور مسز پارکر کے ملازم نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے ایک ہاتھ کی انگوٹھے کے پاس والی انگلی پر ایک چمڑے کا خول چڑھا تھا۔''

''ان رپورٹوں سے مجھے شبہ ہوا اور سلوانیا کے کیس نے مجھے جب یہودیوں کے قہوہ

خانے کی طرف رجوع کیا، تب یہ یقین میں بدل گیا، لیکن اس کمبخت کے بارے میں خود اس کے آدمی بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ اسے شیلاک کا ایک واجب الاحترام پاگل قیدی ہی سمجھ رہے تھے۔''

''تو یہاں بھی اس نے مرڈر ایجنسی قائم کر رکھی تھی کیا؟''

''ہاں، افلاطون کے نام سے۔ یہ جتنے کیسز ہوئے ہیں، سب میں ایک ہی چیز ہوتی تھی، سودا۔ جس کا جی چاہے اس کی شرائط پر کسی کو بھی قتل کرا لے۔ اور اس سلسلے میں اپنی دھاک بٹھانے اور سنسنی پھیلانے کیلیے اس نے یہ خطوط والا طریقہ اختیار کیا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''بیچاری میگی تو پاگل ہوگئی۔'' بالے افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے خود بھی اس لڑکی سے ہمدردی ہے، لیکن کمبخت نے اسے اس صفائی سے کالج کے راستے سے غائب کروا دیا تھا کہ ہمارا آدمی بھی دھوکا کھا گیا اور یہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ لمبے آدمی کی شناخت کا سبب نہ بن سکے۔'' خان نے بتایا۔

''تو وہ لمبا آدمی کون ہے آخر؟''

''ایک مجرمانہ ذہنیت رکھنے والا سابق فوجی جسے کسی کا بھی خون کرتے رحم نہیں آتا۔ شیلاک اسی سے یہ کام کرایا کرتا تھا۔''

''اور تمام واقعات ٹھیک وقت پر ہوتے تھے۔''

''وہ ہمیشہ سے وقت اور زبان کا پابند رہا ہے۔ اور جرائم کی دنیا میں اس کی یہ بڑی خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔''

''لعنت ہے ایسے ننگِ انسانیت پر۔''

''یہ سب دولتمندوں کا چکر ہے، غریبوں کا نہیں۔ بڑے لوگ اپنی اغراض کیلیے ایسی ذلیل حرکتیں بھی کراتے ہیں اور خود سوسائٹی میں معزز بنے رہتے ہیں۔'' خان نے بتایا۔

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ دفتر کا دروازہ کھلا اور شوکت گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس

کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''ارے، یانی آپ لوگ یہاں ٹھاٹھ سے بیٹھے ہیں اور آج میری موت کا دن ہے۔'' اس نے سانس پر قابو پرنا ے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''گھبراؤ نہیں، اب تم جب تک چاہو جی سکتے ہو۔'' خان نے ہنس کر کہا۔

''اے لو، یانی یہ بھی کوئی خالہ جی کا گھر ہیں، میرا مطلب ہے باپ کا راج ہوا کہ جب تک جی چاہے جیو۔''

''اچھا تو مر جاؤ، کون مجبور کرتا ہے۔'' بالے بول اٹھا۔

''اور کیا بولو گے آخر۔ ہونا خودغرضیئے، طوطے کی آنکھ۔ یانی میری موت آ رہی ہے اور آپ ڈھول پیٹ رہے ہیں۔'' شوکت پھر بگڑ گیا۔

''ڈیئر، اپنی ساری جائیداد میرے نام کر جانا۔'' بالے نے اسے اور گرم کر دیا۔

''ایک دھیلا نہیں۔ اللہ قسم، وصیت کر جاؤں گا کہ تمہیں میرے سرہانے بھی کھڑا نہیں ہونے دیا جائے۔ میاں خاں، اپنا بھی اللہ میاں ہے مرنا ہی ہے تو جاؤ سالے اپن بھی وڑے غم ہو کے مریں گے۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹا ہی تھا کہ خان نے اسے آواز دی۔

''اب کائے کو پکارتے ہو آپ، موت کہیں نا لے ٹلتی ہے۔''

''اچھا لو، خوشخبری سن لو۔ تمہارے ملک الموت کو ہم نے گرفتار کر لیا ہے۔'' خان ہنس کر بولا۔

''اور سنو میاں کی، آپ نے ملک الموت کو گرفتار کر لیا ہے۔''

''وہ سب ایک خوفناک چکر تھا، جس کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔''

''ارے نہیں، اللہ قسم؟''

''اللہ قسم۔'' بالے نے اس کی نقل کی۔

''تم تو بولو ئی مت، خان صاحب کہتے ہیں تو مانتا ہوں۔ تمہارا کیا ایتبار، جاں لے

گئے، وئیں چگر میں پھنسا ہوشت، اللہ توبہ توبہ۔ میں بھی تو سالا کتا ہوں، یانی احمق پھپھوندوی، جو تمہارے چکر میں آجاتا ہوں۔ لعنت ہے شکوت میاں خاں تم پے۔ اور انشاءاللہ ایسے سارجنٹوں کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔"

وہ بڑبڑاتا رہا اور خان ہنستا رہا۔ البتہ بالے چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا تھا، ورنہ وہ جب تک بیٹھا رہتا، شوکت کی زبان نہ رکتی۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi